بعون صانع مکین و مکان فضل و خلاق زمین و زمان نسخہ

مثنوی گلزار نسیم

مطبع تیج کمار لکھنؤ میں طبع مقبول جہان ہوا

باہتمام ایم - ڈی مصرا سپرنٹنڈنٹ

مختصر حال نسیم و گلزار نسیم

ادب کا چمکتا ہوا تارا پنڈت دیا شنکر نسیم ۱۸۱۱ء میں افق لکھنؤ سے طلوع ہوا۔ پنڈت گنگا پرشاد کول ان کے والد بزرگوار کا نام تھا نسیم کوتاہ قد گندمی رنگ چھریرے بدن کے آدمی اور شاہی فوج میں وکیل تھے۔ اُردو و فارسی تعلیم اس زمانہ میں عام تھی نسیم نے بھی یہی زبانیں سیکھی تھیں۔ یہ بحث کہ ان کا مبلغ علم کیا تھا۔ اس جواب سے ختم ہو جاتی ہے کہ پہلے زمانے کے معمولی پڑھے لکھے آجکل کے بڑے عالموں کے پلے کے ہوتے تھے۔ اساتذۂ فن کا کلام اُردو فارسی دیکھنے کا چسکا تھا۔ جس نے بیس برس کی عمر میں انھیں اچھا خاصہ شاعر بنا دیا تھا اُس زمانہ میں آتش و ناسخ کا بڑا شہرہ تھا۔ اکثر مبتدی اُنھیں دونوں کے دامن کمال سے وابستہ ہوتے تھے۔ یہ بھی آتش کے شاگرد ہو گئے غزلیں کہیں۔ اصلاح لی۔ تا اینکہ چھوٹا سا ایک دیوان مرتب ہو گیا۔ جواب عام طور سے تو نہیں ملتا۔ مگر اس کا کچھ حصہ مباحثۂ چکبست و شرر کے آخر میں مثنوی کے بعد چھاپ دیا گیا ہے۔

اب یہ معلوم ہونا دشوار ہے۔ کہ کن اسباب نے اُن کو مثنوی لکھنے پر آمادہ کیا مگر یہ حقیقت ہے کہ اُنھوں نے گل بکاولی کا پرانا قصہ جو اُردو نثر میں لکھا جا چکا تھا اپنی نظم کے لئے انتخاب کیا جیسا کہ انھوں نے خود بتایا ہے۔ ~~

وہ نثر ہے داد نظم دوں میں | اس مے کو دو آتشہ کروں میں

بہر حال بتایا گیا ہے کہ پچیس سال کی عمر میں مثنوی گلزار نسیم تمام ہوئی۔

کہا جاتا ہے کہ جب یہ تمام ہوئی تو اچھی خاصی ضخیم تھی۔ اسی صورت میں آتش کے سامنے اصلاح کے لئے پیش کی گئی۔ آتش نے دیکھ کر نسیم سے کہا کہ مثنوی طویل اور پڑھنے والوں کی تعداد قلیل۔ بھلا اتنی بڑی کتاب کو کون دیکھے گا۔ یا تم کہ مصنف ہو اسے دیکھو گے۔ یا یہ کہ میں اصلاح دوں گا۔ ایک مرتبہ نظر ڈال جاؤں گا۔ بہتر یہ ہے کہ انتخاب کرو یہ بات نسیم کی سمجھ میں بھی آگئی اور انھوں نے اسکو پھر دیکھ کر ضروری ضروری مطالب کے شعر رہنے دئے باقی قلم زد کردئے۔

آتش نے اصلاحیں دیں۔ مگر بہت سی اصلاحیں نسیم کو پسند نہ آئیں۔ اور شعر بحالہ رہنے دئے۔ اس کے بعد یہ مثنوی ایک مشاعرہ میں پڑھی گئی اور سننے والوں نے بہت پسند کیا۔ اور بعد کو یہ مثنوی طبع ہو کر ہاتھوں ہاتھ فروخت ہو گئی۔

۱۸۴۳ء میں دیا شنکر نسیم کا انتقال ہوا۔ نسیم اپنے دور کے شعرا میں ایک خوشگو شاعر مانے جاتے تھے۔ اور معاصرین ان کی عزت کرتے تھے۔ خوش گوئی کے ساتھ زود گوئی کا جوہر بھی ان میں موجود تھا۔ بذلہ سنج۔ وارستہ مزاج۔ اور قانع تھے۔ آتش کے شاگرد تھے اور اپنے استاد کے بھائی صبا سے نہایت خلوص تھا چنانچہ جب ان کا انتقال ہوا تو صبا نے یہ شعر کہا ؎

اُٹھ گئے ہیں نسیم جس چمن سے اے صبا وہ ہوائے باغ نہیں

آتش و ناسخ کے دور میں جو مشاعرے ہوتے تھے نسیم بھی اکثر و بیشتر ان میں شریک ہوتے رہتے تھے۔ اور برابر اپنی طبع معنی آفریں کے جوہر دکھاتے تھے۔ صفائی اور معنی آفرینی دونوں ان کے کلام میں موجود ہیں مگر بہ نسبت صفائی کے

معنی آفرینی کے زیادہ دلدادہ تھے۔ اور تناسب الفاظ کا بھی خصوصیت سے خیال رکھتے تھے چنانچہ یہی دونوں باتیں خصوصیت کے ساتھ اُن کی مثنوی میں موجود ہیں۔ اور اُن کے کلام کی زینت کی بنا اکثر انہی دو چیزوں پر رکھی ہوتی ہے۔ اور یہی چیز ہے کہ اکثر جگہ حسن ہوتی ہے اور کہیں کہیں معترضوں کو اعتراض کا موقع بھی دیتی ہے۔ چنانچہ مولانا حالی نے اپنے مقدمۂ شعر و شاعری اس مثنوی کے اس قسم کے اشعار پر اعتراض کئے ہیں اور مولانا شرر مرحوم و دیگر اساتذہ نے بھی اعتراضات کئے اور اس روش کو پسند نہیں کیا۔

رندی سے ان کی شاعرانہ نوک جھوک رہتی تھی۔ اور یہ کبھی کبھی دلی کا وشوں کے نقشے دکھا جاتی تھی جن کا پنڈت برج نرائن چکبست نے اپنے دیباچہ گلزار نسیم میں ذکر کیا ہے۔

مثنوی گلزار نسیم ان کی زندگی میں طبع ہوئی۔ اور اب تک وہ نسخہ جو مصنف کی توجہ و تصحیح سے شایع ہوا کہیں کہیں نظر بھی آجاتا ہے۔ مگر اس کے قبول عام کا یہ حال ہے کہ مصنف کے بعد بھی بہت سے مطبعوں سے متعدد مرتبہ چھپ کر برابر فروخت ہو رہی ہے اور اس قدر مقبول و معروف ہے کہ ہر اُردو داں اس کا مدّاح ہے۔ مطبع ہذا میں اس سے پہلے ۲۴ مرتبہ یہ مثنوی طبع ہوئی لیکن اس مرتبہ خصوصیت سے اس کی تصحیح وغیرہ پر توجہ کر کے اکثر حواشی کا اضافہ کیا گیا اور اب یہ کتاب ایسی ہے کہ طلبا وغیرہ کے لئے بھی مفید ہو اور وہ مشکل مشکل معانی و مطالب بغیر لغت دیکھے سمجھ سکیں۔

مثنوی کے متعلق تنقید یا اس کا دوسری مثنویوں سے تقابل کرنا ایک زرا سی

بات ہے کیونکہ مثنوی خود ناظرین کے پیش نظر ہے اس لئے اس خیال کو نظر انداز کر دیا گیا۔ دوسرے یہ کہ اس کی خوبیوں اور فروگزاشتوں پر کافی بحث ۱۹۰۵ء میں اس وقت ہو چکی ہے جب اس کے دیباچہ پر جو چکبست مرحوم نے لکھا تھا مولانا شرر مرحوم وغیرہ نے اعتراض کئے تھے۔

عبدالباری آسی ۱۱ر مارچ ۱۹۴۱ء
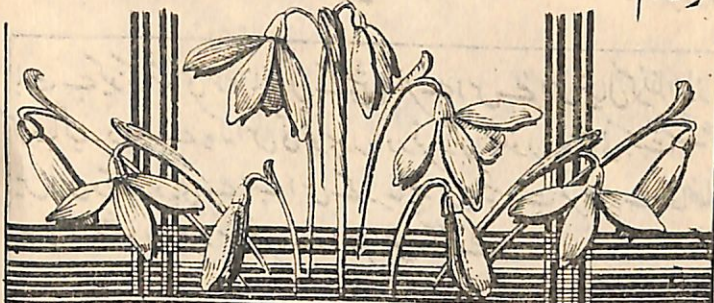
بسم اللہ الرحمن الرحیم

ہر شاخ[1] میں ہے شگوفہ کاری — ثمرہ ہے قلم کا حمد باری
کرتا ہے یہ دو زباں سے یکسر — حمد حق و مدحت پیمبر
پانچ انگلیوں میں یہ حرف زن ہے — یعنی کہ مطیع پنج تن[2] ہے
ختم اسپہ ہوئی سخن پرستی — کرتا ہے زباں کی پیشدستی[3]

خواستگاری جناب باری سے مثنوی گلزار نسیم کی ترتیب کے واسطے

یارب مرے خامے کو زباں دے — منقارِ ہزار داستاں دے

ا؎ ہر شاخ میں ایک بہار آئی ہوئی ہے۔ لہٰذا قلم کا ثمرہ کار یہی ہے کہ خدا کی تعریف لکھے شاخ۔ شگوفہ کاری۔ ثمرہ۔ قلم۔ الفاظ میں تناسب الفاظ ہے ١٢
٢؎ پنجتن سے مراد حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وعلی آلہ واصحابہ وسلم اور حسنین اور حضرت علی اور حضرت فاطمہ کو مراد لیتے ہیں لیکن بعض لوگ رسول اور چاروں خلفائے کبار کو سمجھتے ہیں ١٢
٣؎ پیشدستی۔ نیابت۔ دستبقت ١٢ آسی

افسانۂ گلِ بکاؤلی کا — افسوں[1] ہو بہارِ عاشقی کا

ہر چند سُنا گیا ہے اِس[2] کو — اُردو کی زباں میں سخن گو

وہ نثر ہے داد نظم دوں میں — اس مے کو دو آتشہ[3] کروں میں

ہر چند اگلے جو اہلِ فن تھے — سلطان قلمرو سخن تھے

آگے اُن کے فروغ پانا — سورج کو چراغ ہے دکھانا

پر بحرِ سخن سدا ہے باقی — دریا[4] نہیں کار بند ساقی

طعنے سے زبانِ نکتہ چیں روک — رکھ[5] لے مری اہلِ خامہ میں نوک

خوبی سے کرے دلوں کو تسخیر — نیرنگ[6] نسیم باغِ کشمیر

نقطے ہوں سپند[7] خوش بیانی — جدول ہو حصارِ سحر خوانی

جو نکتہ لکھوں کہیں نہ حرف[8] آئے — مرکز پہ کشش مری پہونچ جائے

داستان تاج الملوک شاہزادے اور زین الملوک بادشاہ مشرق کی

روداد زمان باستانی — یوں نقل ہے خامہ کی زبانی

ف۱ یعنے بہار عاشقی کا افسوں بنجائے ۱۲ ف۲ یعنے اس افسانے کو ۱۲ ف۳ دو آتشہ شراب جو دو مرتبہ کھینچی جائے اور وہ نسبتاً تند و تیز ہوتی ہے ۱۲ ف۴ فیض دریا محتاج ساقی نہیں ہے ۱۲ ف۵ نوک رکھ لینا محاورہ ہے۔ یعنے بات رکھ لینا۔ بہ اعتبار خامہ لفظ نوک بہت مناسب ہے ۱۲ ف۶ یعنے باغ کشمیر کی نسیم کا نیرنگ نسیم کشمیری پنڈت تھے ۱۲ ف۷ سپند سوختنی۔ دفع نظر بد کے لئے جلایا جاتا ہے۔ یہ بیج ہوتے ہیں جو باریک اور نقطہ کے مانند ہوتے ہیں ۱۲ ف۸ حرف آنا۔ الزام آنا عیب لگنا مرکز پہ کشش پہونچنے سے مراد حسب مقصود لکھ لینا اور صحیح مفہوم ادا ہونا ۱۲ آسی

پورب میں ایک تھا شہنشاہ
سلطان زین الملوک ذیجاہ

لشکر کش و تاجدار تھا وہ
دشمن کش و شہریار تھا وہ

خالق نے دئے تھے چار فرزند
دانا عاقل ذکی خردمند

نقشہ ایک[1] اور نے جمایا
پس ماندہ کا پیش خیمہ آیا

اُمید کے نخل نے دیا بار
خورشید حمل[2] ہوا نمودار

وہ نور کہ صدقے مہر انور
وہ رُخ کہ نہ ٹھہرے آنکھ جس پر

نور آنکھ کا کہتے ہیں پسر کو
چشمک[3] تھی نصیب اس پدر کو

خوش ہوتے ہی طفلِ مہ جبیں سے
ثابت یہ ہوا ستارہ بیں سے

پیارا یہ وہ ہے کہ دیکھ اسی کو
پھر دیکھ نہ سکیے گا کسی کو

نظروں سے گرا وہ طفل ابتر
مانند سرشک دیدۂ تر

پردے سے نہ دایا نے نکالا
پتلی سا نگاہ رکھ کے پالا

تھا افسر خسرواں وہ گلفام
پالا تاج الملوک رکھ نام

جب نام خدا جواں ہوا وہ
مانند نظر رواں ہوا وہ

آتا تھا شکار گاہ سے شاہ
نظارہ کیا پسر کا ناگاہ

---

[1] نقشہ اک اور نے جمایا سے مراد یہ کہ پھر ایک حمل قائم ہوا ۱۲ [2] حمل بفتح اول و سکون دوم صحیح ہے مگر عام زبانوں پر بفتحتین ہے اور اس کی مثالیں کلام شعرا میں ملتی ہیں ۱۲ [3] چشمک آنکھ سے اشارہ کرنا۔ شکر رنجی ملال۔ مگر یہاں شاید چشم پوشی کے معنے لئے ہیں جو مناسب محل ہیں۔ کیونکہ نور۔ آنکھ۔ وغیرہ پہلے ہی کہہ چکے ہیں یہ بھی رعایت لفظی کی وجہ سے ہے ۱۲ آسی

صاد آنکھوں کی دیکھکر پسر کی[۵۱] — بینائی کے چہرے پر نظر کی

مُہر لبِ شہ ہوئی خموشی[۵۲] — کی نورِ بصر نے چشم پوشی

دی آنکھ جو شہ نے رونمائی — چشمک سے نہ بھائیوں کو بھائی

ہر چند کہ بادشہ نے ٹالا — اُس ماہ کو شہر سے نکالا

گھر گھر یہی ذکر تھا یہی شور — خارج ہوا نورِ دیدۂ کور

آیا کوئی لے کے نسخۂ نور — لایا کوئی جا کے سرمۂ طور

تقدیر سے چل سکا نہ کچھ زور — بینا نہ ہوا وہ دیدۂ کور

ہوتا ہے وہی خدا جو چاہے — مختار ہے جس طرح بنا ہے

جانا چاروں شہزادوں کا بہ تجویز کحال تلاش گل بکاولی کو

پایا جو سفید چشم صفحا[۵۳] — یوں میلِ قلم نے سرمہ کھینچا

۵۱ صاد۔ آنکھ کو شعرا صاد سے تشبیہ دیتے ہیں۔ اور صاد علامت منظوری بھی ہے چہرہ پر نظر کرنا اصطلاح دفاتر شاہی میں نام کاٹ دینے کے معنی میں ہے۔ چہرا لکھا جانا یعنی خلیہ وغیرہ لکھا جانا۔ نظر کرنا نظری کرنا ۱۲ ۵۲ یعنی بادشاہ خاموش ہوگیا۔ اور نور بصر جاتا رہا۔ بعض نسخوں میں بجائے (دنے) کے (دسے) ہے، مراد یہ کہ بادشاہزادے سے چشم پوشی کی ۱۲ ۵۳ پایا جو سفید چشم صفحا۔ سفید چشم۔ صفت اور صفحا موصوف۔ گلزار نسیم مرتبہ اصغر مرحوم میں اس شعر پر غلط اعتراض کیا ہے چشم کو مضاف اور صفحا کو مضاف الیہ سمجھا ہے اور اس لحاظ سے چونکہ صفحہ میں بوجہ قافیہ الف لایا گیا ہے اور وہ ہندی ہوگیا ہے اسکی اضافت کو غلط کہا ہے۔ حالانکہ یہاں اضافت کا وجود ہی نہیں ہے۔ میل۔ سلائی۔ سفید چشم ہونا علامت زوال بینائی ہے ایسے قلم کی سلائی سے سرمہ لگایا گیا یعنی صفحہ سادہ تھا اس پر لکھا گیا ۱۲ آسی

تھا اک کحّال[۱] پیر دیریں — عیسیٰ کی تھیں اس نے آنکھیں دیکھیں

وہ مرد خدا بہت گراہا[۲] — سلطاں سے ملا کہا کہ شاہا

ہے باغ بکاولی میں اک گل — پلکوں سے[۳] اسی یہ مار چیگل

خورشید میں یہ ضیا کرن کی — ہے مہر گیا[۴] اسی چمن کی

اس نے تو گل ارم بتایا — لوگوں کو شگوفہ ہاتھ آیا[۵]

شہزادے ہوئے وہ چاروں تیار — رخصت کیے شہ نے چاروناچار

شاہانہ چلے وہ لے کے ہمراہ — لشکر اسباب خیمہ خرگاہ

وہ بادیہ گرد خانہ برباد — یعنی تاج الملوک ناشاد

میدان میں خاک اڑا رہا تھا — دیکھا تو وہ لشکر آ رہا تھا

پوچھا تم لوگ خیل کے خیل[۶] — جاتے ہو کدھر کو صورت سیل

بولا لشکر کا اک سپاہی — جاتی ہے ارم کو فوج شاہی

سلطان زین الملوک شہزور — دیدار پسر سے ہو گیا کور

منظور علاج روشنی ہے — مطلوب گل بکاولی ہے

---

۱ اک کحّال کے بجائے۔ ایک کحال مثنوی مرتبۂ اصغر میں چھپا ہے۔ مگر وہ غلط ہے کیونکہ کحّال بتشدید حائے حطی ہے نہ کہ بفتح اور اس صورت میں اگر کاف پر تشدید پڑھی جائے تو شعر ناموزوں ہو جائے گا۔ کحّال وہ لوگ جو آنکھوں کا علاج سرمہ لگانے اور قدح وغیرہ سے کرتے ہیں ۱۲ ۲ گراہا سے مراد یہاں رنجیدہ ہوا لی گئی ہے ۱۲ ۳ یعنی اسکو آنکھوں سے لگا ۱۲ ۴ مہر گیا۔ ایک گھاس ہے جس کی جڑ تسخیر خلائق کے لئے پاس رکھتے ہیں ۱۲ ۵ شگوفہ ہاتھ آنا۔ کوئی نئی بات معلوم ہونا۔ دلچسپی کا سامان بہم پہونچنا ۱۲ ۶ خیل کے خیل یعنی گروہ در گروہ۔ جتھے کا جتھا۔ سیل۔ رَو۔ بہیا ۱۲ عبدالباری آسی۔

گل کی جو خبر سنائی اُسکو	گلشن کی ہوا سمائی اُس کو
ہمرہ کسی لشکری کے ہو کر	قسمت پہ چلا یہ نیک اختر

غلام ہونا چاروں شاہزادوں کا چوسر کھیل کر دلبر بیسوا سے

نقطوں[51] سے قلم کی مہرہ بازی	یوں لاتی ہے رنگ بدطرازی
یکچند پھرا کیا وہ انبوہ	صحرا صحرا و کوہ در کوہ
بُلبل ہوئے سب[52] ہزار جی سے	گُل کا نہ پتہ لگا کسی سے
وارد ہوئے اک جگہ سر شام	فردوس تھا اُس مقام کا نام
اک نہر تھی شہر کے برابر	ٹھٹکے سیارے[53] کہکشاں پر
اک باغ تھا نہر کے کنارے	جو یائے گُل اُس طرف سدھارے
دلبر نام ایک بیسوا تھی	اس ماہ کی واں محلسرا تھی
دروازے سے فاصلے پہ گھر تھا	نقارہ[54] چوبدار در تھا
بیجا و بجا نہ سمجھے انجان	نقارہ بجا کے ٹھہرے نادان
آواز پہ وہ لگی ہوئی تھی	آپ آن کے ٹھاٹھ[55] دیکھتی تھی
جس شخص کو مالدار پاتی	باہر سے اُسے لگا کے لاتی
بہلا کے جوے کا ذکر اُٹھا کر	چوسر میں وہ لوٹتی سراسر

۵۱ چونکہ اس داستان میں چوسر کھیلکر شاہزادوں کے اسیر ہونے کا ذکر ہے۔ اسواسطے نقطوں کو مہرہ قرار دیا اور قلم کو مہرہ باز ۱۲ ۵۲ یعنی سب شاہزادے ۱۲ ۵۳ سیارے یعنی شاہزادے جو تلاش گل میں سیاحی کر رہے تھے۔ کہکشاں سے حوض کا استعارہ کیا ہے ۱۲ ۵۴ نقارہ اس سپاہی کا کام دے رہا تھا جو خبر رسانی کی خدمت انجام دیتا ہے ۱۲ ۵۵ ٹھاٹھ۔ شان و شوکت آہی ۱۲

جیت اُسکی تھی ہاتھ جو کچھ آتا — اُس کا کوئی ہتھکنڈا[۱] نہ پاتا

بلّی کا سرِ جریدہ اعداں تھا — چوہا پاسے کا پاسبان تھا

اُلٹاتے[۱] اڑی پہ قسمت آسا — بلّی جو دیا۔ تو موش پاسا

جیتے ہوئے بندے[۲] تھے ہزاروں — قسمت نے پھنسائے یہ بھی چاروں

ھیادھی لائی پھانس کر صید — کرسی پہ بٹھائے نقش[۳] اُمید

تی

گھاتیں ہوئیں دلربائیوں کی — باتیں ہوئیں آشنائیوں کی

رنگ اُسکا جما تو لا کے چوسر — کھیلی وہ کھلاڑ[۴] بازی بد کر

وہ چھوٹ[۵] پہ تھی یہ میل سمجھے — بازی چوسر کی کھیل سمجھے

مغرور تھے مال و زر پہ کھیلے — ساماں ہارے تو سر پہ کھیلے

بدبختی سے آخری جوا تھا — بندہ ہونا بدا ہوا تھا

دو ہاتھ میں چاروں اُسنے کوٹے — پنجے[۶] میں پھنسے تو چھکّے چھوٹے

ایک ایک سے رات بھر نہ چھوٹا — پو[۷] پھٹتے ہی جگ اُنھوں کا ٹوٹا

زنداں کو چلے مچل مچل کر — نردوں[۸] کی طرح پھرے نہ چلکر

ف۱ نسخہ مرتبہ اصغر مرحوم الٹاتی بہ یائے معروف ہے۔ لیکن بلحاظ بلی اور موش کے یائے مجہول مناسب ہے ۱۲ ف۲ بندے میں یائے معروف نہیں بلکہ یائے مجہول بمعنی غلام ہے ۱۲ ف۳ نقش اُمید سے مراد شاہزادے ۱۲ ف۴ کھلاڑ۔ کھیلنے والی۔ بیسوا کو بھی کہتے ہیں ۱۲ ف۵ چھوٹ مراد شرط چھوٹ بدنا۔ شرط بدنا۔ حریف سے اس طرح لڑنا کہ وہ جہاں چاہے وار کرے ۱۲ ف۶ پنجے میں پھنسے یعنے قابو میں آگئے۔ چھکے چھوٹنا ہوش اُڑنا۔ پنجا۔ چھکا۔ چاروں۔ چوسر کی اصطلاح ہے ۱۲ ف۷ پو پھٹنا صبح ہونا۔ جگ ٹوٹنا۔ جدا ہونا۔ جگ اصطلاح چوسر میں دو تردوں کا ایک خانے میں رہنا۔ پو نردوں کا ایک صفر پانسے میں جب دس پچیس تیس آئیں تو ایک پو کا استحقاق ہوتا ہے۔ یعنے ایک خانہ زائد شمار کرتے ہیں ۱۲ ف۸ نرد آگے بڑھ کر واپس نہیں ہوتی ۱۲ آسی

لشکر میں سے جو گیا سوئے شہر — پانی[۱] سا پھرا نہ جانب نہر

جیتنا تاج الملوک کا دلبر بسوا کو اور چھوڑ کر روانہ ہونا تلاش گل بکاؤلی میں

لانا زر گل جو ہے ارم سے — یوں صفحے پہ نقش ہے قلم سے
وہ[۲] ریگ رواں کا گرد لشکر — یعنے تاج الملوک ابتر
حیران ہوا کہ یا الٰہی — لشکر پہ یہ کیا پڑی تباہی
اُٹھا کہ خبر تو لیجے چلکر — گذرا درِ باغ بسوا پر
حیران تھا یہ بلند پایہ — نکلی اندر سے ایک دایہ
لڑکا کوئی کھو گیا تھا اُس کا — ہم شکل یہ بے لقا تھا اُس کا
بولی وہ کہ نام کیا ہے تیرا — فرزند اسی شکل کا تھا میرا
بولا وہ کہ نام تو نہیں یاد — طفلی میں ہوا ہوں خانہ برباد
لیکن یہ میں جانتا ہوں دلگیر — مادر تھی مری بھی ایسی ہی پیر
بیٹا وہ سمجھ کے جی سے اُسکو — گھر لائی ہنسی خوشی سے اُسکو
جاتے تھے[۳] اودھر سے دو جواری (ن چلتے) — ایک ایک کی کر رہا تھا خواری
کہتے تھے فریب دو گے کیا تم — شہزادے نہ ہم نہ بسوا تم
ذکر اپنے برادروں کا سُن کر — بولا وہ عزیز سُن تو مادر

۱۔ جیسے پانی نہر سے جا کر پھر نہر میں نہیں آتا ۱۲
۲۔ ریگ رواں کا قافلہ فرض کیا اور تاج الملوک کو گرد لشکر کہا گیا ۱۲
۳۔ اس شعر میں جاتے تھے کی جگہ کئی نسخوں میں چلتے تھے ہے مگر میرے نزدیک جاتے تھے زیادہ صحیح ہے ۱۲ آسی

کون ایسی کھلاڑ بیسوا ہے — شہزادوں کو جسنے نرچ کیا ہے
بولی وہ کہ ہاں جوا ہے بد کام — دلبر اک بیسوا ہے خود کام
بلّی پہ چراغ رکھ کے شب کو — چوسر میں وہ لوٹتی ہے سبکو
پاسے کی ہے کل چراغ کے ساتھ — وہ بلّی کے سر پہ چوہے کے ہاتھ
شہزادے کہیں گئے تھے بداقبال — بندے ہوئے ہار کر زر و مال
بھائی تھے جوشِ خوں کہاں جائے — صدمہ ہوا درد سے کہا ہائے
پانسے کا چراغ کا اُلٹ پھیر — سوجھا نہ اُنھیں یہ دیکھو اندھیر
سوچا وہ کہ اب تو ہم ہیں آگاہ — جیتے ہیں تو جیت لیں گے ناگاہ
اک بلّی جھپٹی چوہے کو بھانپ — نیولے نے بھگا دیا دکھا سانپ
سمجھا وہ کہ ہے شگون نرالا — نیولا پکڑ آستین میں پالا
چوسر ہی کے سیکھنے کو یکسر — گھوما وہ برنگ نرد گھر گھر
اک روز اُسے مل گیا امیر ایک — وہ صاحب جاہ دل سے تھا نیک
اشراف[1] سمجھ کے لے گیا گھر — بخشا اُسے اسپ جامۂ و زر
اس گل کے جو ہاتھ میں زر آیا — جانبازی کو سوئے دلبر آیا
ملتی تھی کھلاڑ ڈنکے[2] کی چوٹ — نقّارۂ و چوب میں چلی چوٹ

[1] اشراف شریف کی جمع ہے۔ مگر بعض نے معنی واحد میں بھی استعمال کیا ہے ۱۲

[2] ڈنکے کی چوٹ۔ علانیہ۔ یہ محاورہ ہے۔ مگر یہاں نہایت مناسب جگہ پر مستعمل ہوا ہے کیونکہ بیسوا نقارہ بجانے کے بعد ملتی تھی۔ اسی طرح چوٹ چلنا۔ اس میں ایک دوسرے پر وار کرنے کے معنی میں محاورہ ہے۔ وہ بھی نہایت مناسب مقام پر مستعمل ہوا ہے جس کا طبع لطیف اندازہ کر سکتی ہے ۱۲ عبدالباری آسی۔

آواز وہ سن کے در پہ آئی
کام اُس کا تھا بسکہ کھیل[1] کھانا
وہ چشم و چراغ بیسوا کے
نیولا وہ کہ مار آستیں تھا
بلی تو چراغ پا تھی خاموش
ہنس ہنس کے حریف کو رولایا
بارے بہ ہزار بد دماغی
پاسے سے چلی نہ جعل سازی
سب ہار کے نقد و جنس بارے
بنیاد[4] جو کچھ تھی سب گنوائی
پھر پاسے نے کی نہ پاسداری
پاسے کی بدی ہے آشکارا
دانا تو کرے کب اس طرف میل

ہمرہ اسے لے کے در پہ آئی
چوسر کا جما وہ کارخانا
کرنے لگے تاک جھانک آکے
چٹکی کے بجاتے ہی وہیں تھا
بل ہو گیا موش کو فراموش
مانند سُہا اُسے جلایا
لی خضر نے غول سے چراغی[2]
اُجڑی[3] وہ بسا بسا کے بازی
جیتے ہوئے بندے بد کے ہارے
تب خود وہ کھلاڑ ٹھہرے آئی
ہمت کی طرح وہ نل سے ہاری
راجہ نل سلطنت ہے ہارا
ہارا ہے جوے کے نام سے بیل

۱ کھیل کھانا۔ فاحشہ عورتوں کے لئے مستعمل ہے۔ یہاں ناجائز رقم حاصل کرنے کے معنی میں ہے ۱۲ ۲ چراغی۔ وہ نقدی جو کسی مزار یا کسی بزرگ کے نام پر فاتحہ دیتے وقت چراغ کے نیچے رکھدیتے ہیں۔ چونکہ اس جگہ چراغ کے اُلٹ پھیری کا ذکر ہے اسواسطے یہاں یہ کہنا غول سے خضر نے چراغی وصول کی بہت مناسب ہے۔ یعنی جیتی ہوئی رقم چراغ کے قائم رہنے سے وصول ہوئی ۱۲ ۳ یعنی بازی لگا لگا کر تباہ ہوئی۔ اُجڑنا۔ اور بازی بسانا اس محل پر اب نہیں بول سکتے۔ ممکن ہے کہ مصنف کے وقت میں بولتے ہوں ۱۲ ۴ بنیاد سے مراد یہاں متاع ہے۔ ٹھہرے آنا۔ ٹھہرا رکنے کے معنی میں لکھا ہے ۱۲ عبدالباری آسی۔

بارے دیکھا جو بیسوا نے
بندہ گیا غیر کا خدا نے

سوچی کہ نہ اب بھی چال رہیے[1]
شادی کا مزا نکال رہیے

بولی بہ ہزار عجز و زاری
تم جیتے میاں میں تم سے ہاری

لونڈی ہوں نہیں عدول مجھکو
خدمت میں کرو قبول مجھ کو

بولا وہ کہ سن یہ ہتھکنڈے چھوڑ
نقارۂ در کو چوب سے توڑ

یہ مال یہ زر یہ جیتے بندے
یونہی انھیں رکھ بجنس چندے

بالفعل ارم کو جاتے ہیں ہم
انشاء اللہ آتے ہیں ہم

بولی وہ سنو تو بندہ پرور
گلزار ارم ہے پریوں کا گھر

انسان و پری کا سامنا کیا
مٹھی میں ہوا کا تھامنا کیا

شہزادہ ہنسا کہا کہ دلبر
کچھ بات نہیں جو ٹھنیے[2] دل پر

انسان کی عقل اگر نہ ہو گم
ہے چشم پری میں جائے مردم

یہ کہہ کے اٹھا کہا کہ لو جان
جاتے ہیں کہا خدا نگہبان

دولت تھی اگرچہ اختیاری
پامردی[3] سے اسپہ لات ماری

جز جیب نہ مال پر پڑا ہاتھ
جز سایہ نہ کوئی بھی لیا ساتھ

درویش تھا بندۂ خدا وہ
اللہ کے نام پر چلا وہ

---

۱ چال رہیے یعنے چال سے نہ باز آئیے ۱۲ ۲ کسی بات کا دل پر رکھنا۔ کسی کام کے کرنے کا پکا ارادہ کر لینا ۱۲ ۳ پامردی استقلال۔ ہمت ۱۲ عبد الباری آسی۔

پہونچنا تاج الملوک کا سرنگ کھدوا کر باغ بکاؤلی میں اور گل لے کر پھرنا

کرتا ہے جو طے سواد نامہ | یوں حرف ہیں نقش پاے خامہ
وہ دامن دشت شوق کا خار | یعنے تاج الملوک دل زار
اک جنگلے[1] میں جا پڑا جہاں گرد | صحراے عدم بھی تھا جہاں گرد
سایے کو پتا نہ تھا شجر کا | عنقا تھا نام جانور کا
مرغان[2] ہوا تھے ہوش راہی | نقش کف پا تھے ریگ ماہی
وہ دشت کہ جس میں پر تگ و دو | یا ریگ رواں تھی یا وہ رہرو
ڈانڈا[3] تھا ارم کے بادشاہ کا | اک دیو تھا پاسباں بلا کا
دانت اُس کے تھے گورکن قضا کے | دو تھنے رہِ عدم کے ناکے
سر پر[4] پایا بلا کو اُس نے | تسلیم کیا قضا کو اُس نے

[1] جنگلا بمعنی جنگل۔ پہلے بولتے تھے اور بعض اب بھی اس معنی میں بولتے ہیں ؎ صدقے ہزار شہر وہ صحرا ہے عیش باغ۔ دیوانے ہیں جو کہتے ہیں جنگلا ہے عیش باغ۔ جنگلا ایک راگنی کا نام بھی ہے۔ اسی لئے دیس بھی ایک جگہ لایا گیا ہے۔ کیونکہ دیس بھی ایک راگ کا نام ہے۔ جنگلے کی راہ سے چلا دیس ۱۲ [2] یعنے اس جنگل میں اگر پرند تھے تو ہوش راہی کے تھے۔ اور وہاں اگر ریگ ماہی تھی تو وہ نقش قدم تھے۔ ورنہ ان دونوں چیزوں کا پتہ نہ تھا۔ ریگ ماہی ایک قسم کی مچھلی ہے جو ریت میں ملتی اور جوان گرگٹ کی طرح ہوتی ہے یہ ریت میں اس طرح رہتی ہے جیسے کہ عام مچھلیاں پانی میں رہتی ہیں۔ اسکو سمک الرمل۔ اور ریگ زادہ بھی کہتے ہیں بعض نے کہا ہے کہ سقنقور اسی کا نام ہے مگر یہ قول ضعیف ہے ۱۲ [3] ڈانڈا۔ سرحد ۱۲ [4] یعنے بادشاہ زادہ تن بہ تقدیر مرنے پر رضامند ہو گیا ۱۲ عبد الباری آسی۔

بھوکا کئی دن کا تھا وہ ناپاک
فاقوں سے رہا تھا پھانک کر خاک

بے ریشہ یہ طفلِ نوجواں تھا
حلوا بے دود بے گماں تھا

بولا کہ چکھوں[1] گا میں یہ انسان
اللہ اللہ شکر احسان

شہزادہ کہ منھ میں تھا اجل کے
اندیشہ سے رہ گیا دہل کے

پل مارنے کی ہوئی جو دیری
سبحان اللہ شان تیری

اشتر کئی جاتے تھے اُدھر سے
پُر آرد و روغن و شکر سے

وہ دیو لپک کے مار لایا
غرّاتے ہوئے شکار لایا

اونٹوں کی جو لوتھیں[2] دیو لایا
دم اسکا نہ اس گھڑی سمایا

تیورا کے وہیں وہ بار بردوش
بیٹھا تو گرا گرا تو بے ہوش

چاہا اُس نے کہ مار ڈالو
یا بھاگ سکو تو راستا لو

وہ اونٹ تھے کاروانیوں کے
سب ٹھاٹھ تھے میہمانیوں کے

میدا بھی شکر بھی گھی بھی پایا
خاطر میں یہ اُس بشر کے آیا

میٹھا اس دیو کو کھلاؤ
گڑ سے جو مرے تو زہر کیوں دو

حلوے کی پکا کے اک کڑھائی
شیرینی دیو کو چڑھائی

ہرچند کہ تھا وہ دیو کڑوا[3]
حلوے سے کیا منھ اُسکا میٹھا

کہنے لگا کیا مزا ہے دلخواہ
اے آدمی زاد واہ وا واہ

چیز اچھی کھلائی تو نے مجھ کو
کیا اُس کے عوض میں دوں میں تجھ کو

۱ے چکھوں گا۔ کھاؤں گا کے معنے میں ہے ۱۲ ۲ے لوتھ بمعنی مردہ اونٹ لایا گیا ہے۔ اگرچہ لوتھ عموماً انسان ہی کی لاش کو کہتے ہیں ۱۲ ۳ے کڑوا بمعنی تند خو ۱۲ آسی

بولا وہ کہ پہلے قول دیجے ۔۔۔ پھر جو میں کہوں قبول کیجے

وہ ہاتھ پہ[۵۱] اُس کے مار کر ہاتھ ۔۔۔ بولا کہ ہے قول جان کے ساتھ

بولا وہ کہ قول اگر یہی ہے ۔۔۔ بدعہدی[۵۲] کے پر نہیں سہی ہے

گلزار ارم کی ہے مجھے دُھن ۔۔۔ بولا کہ ارے بشر وہ گلبن

خورشید کے ہم[۵۳] نظر نہیں ہے ۔۔۔ اندیشے کا واں گذر نہیں ہے

واں موج[۵۴] ہوا ہوا پہ اژدر ۔۔۔ واں ریگ زمیں زمیں پہ اخگر

ہوتا جو نہ قول کا سہارا ۔۔۔ بچتا نہ یہیں تو خیر ہارا

رہ جا مرا بھائی ایک ہے اور ۔۔۔ شاید کچھ اُس سے بن پڑے طور

اک ٹیکرے[۵۵] پر گیا بلایا ۔۔۔ وہ مثل صدائے کوہ آیا

حال اُس سے کہا کہ قول ہارا ۔۔۔ ہے پیر[۵۶] یہ نوجواں ہمارا

مشتاق ارم کی سیر کا ہے ۔۔۔ کوشش کرو کام خیر کا ہے

حمالہ نام دیونی ایک ۔۔۔ چھوٹی بہن اُسکی تھی بڑی نیک

خط اسکو لکھا بایں عبارت ۔۔۔ اے خواہر مہرباں سلامت

پیارا ہے مرا یہ آدمی زاد ۔۔۔ رکھیو اسے جس طرح مری یاد

۵۱ قول قرار کرتے وقت ہاتھ پر ہاتھ مارتے ہیں ۱۲ ۵۲ یعنے پھر قول سے پھر نہ جانا ۱۲ ۵۳ خورشید کے ہم نظر نہیں ہے یعنی خورشید اُس سے آنکھ نہیں ملا سکتا ۱۲ ۵۴ یعنے وہاں موج ہوا ہوا پر اژدہا معلوم ہوتا ہے اور وہاں کی ریگ زمین زمین پر اخگر کی طرح معلوم ہوتی ہے ۱۲ ۵۵ ٹیکرا۔ ٹیلا۔ جیسے کوہ سے صدا گونجتی ہوئی آتی ہے اسی طرح سے وہ آیا ۱۲ ۵۶ پیر و نوجواں میں صنعت تضاد ہے مگر پیر بہ طریق ایہام لایا گیا جس کے معنے مرشد و رہنما کے ہیں ۱۲

انسان ہے چاہے کچھ جو سازش — مہمان ہے کیجیو نوازش
خط لے کے نشتر کو لے اُڑا دیو — پہونچا حمالہ پاس بے ریو
بھائی کا جو خط بہن نے پایا — بھیجے ہوئے کو گلے لگایا
اُس دیونی پاس اک حسین تھی — زنبور کے گھر میں انگبین تھی
محمودہ نام دخت آدم — لے آئی تھی دیکھ دیونی دم
جوڑا ہم جنس ہاتھ آیا — محمودا کے گلے لگایا
دن بھر تو الگ تھلگ ہی تھے وہ — دو وقت سے شام کو ملے وہ
تھے ضبط و حیا[1] کے امتحاں میں — پردہ رہا ماہ میں کتاں میں
آپس میں کھلے[2] نہ شرم سے وہ — خاطر کی طرح گرہ رہے وہ
بولا وہ فسردہ دل سحر گاہ — کیا سرد ہوا ہے واہ واہ واہ
بولی وہ[3] کہ ہونے کو ہوا ہے — جو غنچے کو گل کرے صبا ہے
بولا[4] وہ یہی تو چاہتا ہوں — گل پاؤں تو میں ابھی ہوا ہوں

۱ یعنے ایک طرف ضبط اور ایک طرف حیا تھی۔ کہا جاتا ہے کتاں جب ماہ کے سامنے آتا ہے تو پارہ پارہ ہو جاتا ہے۔ مگر یہاں ماہ و کتاں مقابل ہمدگر نہ ہوئے ۱۲ ۲ کھلنا۔ بے تکلف ہونا۔ دوسرے مصرع میں گرہ کا لفظ ہے۔ چونکہ دل کو عقدہ کہتے ہیں اس لئے یوں لکھا گیا ۱۲ ۳ یعنے ہوا ہے تو ہوا کرے میرے نزدیک تو باد صبا وہ ہے جو میرے دل کی کلی کو کھلائے اس میں اور بھی کنایہ ہے ۱۲ ۴ تاج الملوک نے بات کا رُخ دوسری طرف پھیر دیا اور کہا گل ہی کی تو مجھے بھی تلاش ہے۔ ہوا ہونا۔ تیزی کے ساتھ چلا جانا۔ گل پاؤں تو میں بھی ہوا بن جاؤں۔ اس میں بھی ایک لطیف کنایہ ہے ۱۲

پیراہن گل کی بو تھی مطلوب ‏— یوسف[1] نے کہا وہ حال یعقوب

اوّل کہی بدنگاہی[2] اپنی ‏— بعد اُس کے وہ سب تباہی اپنی

کھولی تھی زبان منھ اندھیرے ‏— کہتے سنتے اُٹھے سویرے

پوچھا حمّالہ نے مری جان ‏— ہم جنس ملا نکالے ارمان ؟

بولی وہ کہ کہتے آتی ہے شرم ‏— دل سرد رہا بغل رہی گرم

ناکامی کے جب وہ طور سمجھی ‏— وہم اُسکو ہوا کچھ اور سمجھی

پوچھا کہ بتا تو روگ کیا ہے ‏— درماں ہے کہ درد لا دوا ہے

بولی وہ کہ ہے تو درد لیکن ‏— تم چاہو تو ہے دوا بھی ممکن

وہ بولی جو تو کہے زباں سے ‏— تارے تو اُتاروں آسماں سے

چہرے کو چھپا کے زیر چادر ‏— محمود نے کہا کہ مادر

باپ اُسکا ہے اندھے پن سے مجہول ‏— مطلوب بکاؤلی کا ہے پھول

دل داغ اُسکا برائے گل ہے ‏— نرگس کے لئے عصائے گل ہے

ساعی تھی بدل یہ کہنے والی ‏— راہ اُس نے سرنگ کی نکالی

دیوؤں سے کہا کہ جوہے بنجاؤ ‏— تا باغ ارم سرنگ پہونچاؤ

سن حاجت نقب بہر گلگشت ‏— کترا جو ہوں نے دامن دشت

پوشیدہ زمیں کے دل میں کی راہ ‏— حد باندھ کے خوش پھرے اُسی راہ

۱؎ یوسف سے مراد شاہزادہ تاج الملوک۔ یعقوب زین الملوک جو اندھا ہوگیا تھا۔ اس میں صنعت تلمیح ہے حضرت یعقوب و یوسف کے فراق کا قصہ اور حضرت یعقوب کا اندھا ہونا کتب سیر میں درج ہے ۱۲ ۲؎ بدنگاہی سے مراد اپنی نگاہی نحوست جس کی وجہ سے باپ اندھا ہوگیا ۱۲ عبدالباری آسی

جب مہر تہِ زمیں سمایا | اُس نقب کی رہ وہ آدم آیا
صحنِ چمنِ ارم میں اک جا | بوٹا سا تہِ زمیں سے نکلا
کھٹکا جو نگاہبانوں کا تھا | دھڑکا یہی دل کا کہہ رہا تھا
گوشے میں کوئی نگاہ نہ ہووے | خوشہ کوئی تاکتا نہ ہووے
گو باغ کے پاسباں غضب تھے | خوابیدہ برنگِ سبزہ سب تھے
نرگس کی کھلی نہ آنکھ یک چند | سوسن کی زباں خدا نے کی بند
خوش قد وہ چلا گل و سمن میں | شمشاد رواں ہوا چمن میں
ایوان بکاؤلی جدھر تھا | حوض آئینہ[1] وار بام و در تھا
رکھتا تھا وہ آب[2] سے سوا تاب | چندے[3] خورشید چندے مہتاب
پھول اُسکا اندھے کی دوا تھا | رشکِ جامِ جہاں نما تھا
پانی کے جو بلبلوں[4] میں تھا گل | پہونچا لبِ حوض سے نہ خیگل
پوشاک اُتار اُتر کے لایا | پھولا[5] نہ وہ جامے میں سمایا
گل لے کے بڑھا ایاغ برکف | چوری سے چلا چراغ برکف
بارہ دری واں جو سونے کی تھی | سو خواب گہِ بکاؤلی تھی
گول اُس کے ستوں تھے ساعدِ حور | چلمن مژگانِ چشمِ مخمور

ف[1] یعنی حوض میں ایوان بکاؤلی کا عکس پڑ رہا تھا ۱۲ ف[2] وہ حوض ۱۲ ف[3] چندے خورشید الخ نہایت چمکدار خوبصورت ۱۲ ف[4] بلبلوں میں یعنی حبابوں میں برعایت گل یہ لفظ لایا گیا ہے ۱۲ ف[5] جامے میں پھولا نہ سمانا۔ بہت خوش ہونا۔ پوشاک اُتارنے کی رعایت سے یہ محاورہ نہایت برمحل صرف ہوا ہی۔ آسی

دکھلاتا تھا وہ مکان جادو — محراب[1] سے در سے چشم و ابرو

پردہ جو حجاب سا اُٹھایا — آرام میں اُس پری کو پایا

بند اُس کی دو چشم نرگسی تھی — چھاتی کچھ کچھ کھلی ہوئی تھی

سمٹی تھی جو محرم اُس قمر کی — بر جوں پہ سے چاندنی تھی سر کی

لپٹے جو تھے بال کروٹوں میں — بل کھا گئی تھی کمر لٹوں میں

چاہا کہ بلا گلے لگائیے — سوتے ہوئے فتنے کو جگائیے

سوچا کہ یہ زلف کف میں لینی — ہے سانپ کے منھ میں انگلی دینی

یہ پھول انھیں اژدہوں کا ہے من — یہ کالے چراغ کے ہیں دشمن

گل چھن کے ہنسی نہ ہوئے بالکل — خندہ[2] نہ ہو برق حاصل گل

پھر سمجھیں گے ہے جو زندگانی — کچھ نام کو رکھ چلو نشانی

انگشتری اپنی اُس سے بدلی — مہر خط عاشقی سند لی

آہستہ پھرا وہ سرو بالا — سایہ بھی نہ اُس پری پہ ڈالا

ہیبت[3] سا زمیں کے دل میں آیا — اندیشہ کی طرح سے سمایا

جب نقب اُفق سے مہر تاباں — نکلا تو وہ ماہ رو شتاباں

ف۱ محراب و در کی چشم و ابرو سے تشبیہ دی۔ یعنی اس مکان کی جادو نما خاصیت یہ تھی کہ محراب و در کی بجائے چشم و ابرو نظر آرہے تھے۔ یا مراد یہ کہ چشم نمائی کرتا تھا ۱۲ ف۲ خندہ نہ ہو۔ یعنی وہ ہنسی جو پھول چھٹنے پر اُڑائی جائے۔ کہیں وہ اس خوشی کے لئے جو گل کے حاصل ہونے سے ہوئی۔ اس حاصل کو وہ خندۂ برق بنکر جلا نہ دے ۱۲ ف۳ ہیبت سا زمین کے دل میں آیا۔ ہیبت دل میں آتی ہے۔ اور شاہزادہ اسوقت سراپا ہیبت بنا ہوا تھا۔ جب کہ واپس ہوتا ہوا دوبارہ سرنگ میں داخل ہوا ۱۲ آسی

گل ہاتھ میں مثل دست بیضا[1]
اس نقب کی آستیں سے نکلا

وہ دیونی اور وہ دخت انساں
دونوں تھیں اسی کی منتظر واں

گل لے کے جب آ ملا وہ گل چیں
اس نقب کی رخنہ بندیاں کیں

آوارہ ہونا بکاؤلی کا تاج الملوک گلچیں کی تلاش میں

گل کا جو الم چمن چمن ہے
یوں بلبل خامہ نعرہ زن ہے

گلچیں نے وہ پھول جب اڑایا
اور غنچۂ صبح گل کھلایا

وہ سبزۂ باغ خواب آرام
یعنے وہ بکاؤلی گل اندام

جاگی مرغ سحر کے غل سے
اٹھی نکہت[2] سی فرش گل سے

منہ دھونے جو آنکھ ملتی آئی
پرآب وہ چشم حوض پائی

دیکھا تو وہ گل ہوا[3] ہوا ہے
کچھ اور ہی گل کھلا ہوا ہے

گھبرائی کہ ہیں کدھر گیا گل
جھنجھلائی کہ کون دے گیا جل

ہے ہے مرا پھول لے گیا کون
ہے ہے مجھے خار[4] دے گیا کون

ہاتھ اس پہ اگر پڑا نہیں ہے
بو ہو گئے تو پھول اڑا نہیں ہے

[1] دست بیضا سے مراد ید بیضا جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کا معجزہ تھا۔ کہ جب آپ اپنا ہاتھ گریبان میں ڈال کر نکالتے تھے تو وہ مثل آفتاب چمکتا معلوم ہوتا تھا۔ اور یہ وہ ہاتھ تھا جو بچپن میں انگارے کو چھونے سے جل گیا تھا۔ دست بیضا کی بجائے ید بیضا زیادہ مستعمل ہے ۱۲ [2] یہ تشبیہ لطافت اور نزاکت اور نفاست کے اعتبار سے دی گئی ہے ۱۲ [3] ہوا ہونا۔ غائب ہونا۔ گل کھلنا نئی بات کا ظہور ہونا ۱۲ [4] خار دینا۔ رنج دینا ۱۲ عبد الباری آسی۔

نرگس[1] تو دکھا کدھر گیا گل
سوسن تو بتا کدھر گیا گل

سنبل مرا تازیانہ لانا
شمشاد انھیں سولی پر چڑھانا

تھرائیں خواصیں صورتِ بید
ایک ایک سے پوچھنے لگی بھید

نرگس نے نگاہ بازیاں کیں
سوسن نے زباں درازیاں کیں

پتّا بھی پتے کو جب نہ پایا
کہنے لگیں کیا ہوا خدایا

اپنوں[2] میں سے پھول لے گیا کون
بیگانہ تھا سبزے کے سوا کون

شبنم کے سوا چرانے والا
اوپر[3] کا تھا کون آنے والا

جس کف میں وہ گل ہو داغ ہو جائے
جس گھر میں ہو گل چراغ ہو جائے

بولی وہ بکاؤلی کہ افسوس
غفلت سے یہ پھول پر پڑی اوس[4]

آنکھوں سے عزیز گل مرا تھا
پتلی وہی چشم حوض کا تھا

نام اُس کا صبا نہ لیتی تھی یاں
اس گل کو ہوا نہ دیتی تھی میں

ف۱ نرگس سے دکھانے کی خواہش اس لئے ہے کہ اُس کو آنکھ سے تشبیہ دیتے ہیں۔ اور سوسن کو زبان سے۔ سنبل کو تازیانے اور شمشاد کو سولی سے یہ خواصوں کے نام بھی ہوتے ہیں ۱۲ ف۲ اپنوں میں سے یعنی یگانوں میں سے پھول کون لیجا سکتا ہے اور بیگانہ یہاں آ کون سکتا ہے۔ البتہ سبزۂ بیگانہ موجود ہے۔ سبزۂ بیگانہ۔ اس سبزہ کو کہتے ہیں جو خود رو ہوتا ہے ۱۲ ف۳ اوپر کا۔ یعنی غیر آدمی ۱۲ ف۴ اوس پڑنا ایک محاورہ ہے جو۔ بے رونق ہونے کے معنی میں آتا ہے۔ ارمانوں پر اوس پڑنا۔ ارمانوں کے مایوسی سے بدل جانے کے معنی پر ہے۔ لیکن یہاں پر دونوں کے معنے لئے ہیں ۱۲

گلچیں کا جو ہاے ہاتھ ٹوٹا[۵۱]
او خار پڑا نہ تیرا چھنگل
او باد صبا ہوا نہ بتلا
بلبل تو چہک اگر خبر ہے
لرزاں تھی زمیں یہ دیکھ کہرام
انگلی لبِ جو پہ رکھ کے شمشاد
جو نخل تھا سوچ میں کھڑا تھا
رنگ اُسکا غرض لگا بدلنے
بدلے کی انگوٹھی ڈھیلی پائی
خاتم تھی نام کی نشانی
ہاتھوں کو ملا کہا کہ ہیہات
جس نے مجھے ہاتھ ہے لگایا
عریاں مجھے دیکھ کر گیا ہے
یہ کہہ کے جنوں میں ہو غضبناک
گل کا سا لہو بھرا گریباں

غنچے[۵۲] کے بھی منھ سے کچھ نہ پھوٹا
مشکیں کس لیں نہ تو نے سنبل
خوشبو ہی سنگھا پتا نہ بتلا
گل تو ہی مہک بتا کدھر ہے
تھی سبزے سے راست مو براندام
تھا دم بخود اُسکی سُن کے فریاد
جو برگ تھا ہاتھ مل رہا تھا
گلبرگ سے کف لگی وہ ملنے
دست آور برا اُس کے ہاتھ آئی
انسان[۵۳] کی دست برد جانی
خاتم بھی بدل گیا ہے بدذات
وہ ہاتھ[۵۴] لگے کہیں خدایا
کھال اُس کی جو کھینچے سزا ہے
خوں رونی لباس کو کیا چاک
سبزے کا سا تار تار داماں

۵۱ ہاتھ ٹوٹا یعنے پھول توڑنے کے لئے گلچین نے ہاتھ بڑھایا۔ عورتیں اکثر اس محاورے کو بطریق بد دعا استعمال کرتی ہیں ۱۲ ۵۲ غنچے کے بھی مُنھ سے کچھ نہ پھوٹا یعنے غنچہ بھی کچھ نہ بولا۔ غنچہ کو بھی منھ سے تشبیہ دیتے ہیں ۱۲ ۵۳ انسان کی دست برد جانی۔ یعنے معلوم ہو گیا کہ یہ کام انسان کا ہے ۱۲ ۵۴ ہاتھ لگنا۔ دستیاب ہونا۔ ملنا ۱۲ آسی

دکھلا کے کہا سمن پری کو — اب چین کہاں بکاؤلی کو
تھی بسکہ[۱] غبار سے بھری وہ — آندھی سی اُٹھی ہوا ہوئی وہ
کہتی تھی پری کہ اُڑ کے جاتی — گلچین کا کہیں پتہ لگاتی
ہر باغ میں پھولتی پھری وہ — ہر شاخ پہ جھولتی پھری وہ
جس تختے میں مثل باد جاتی — اُس رنگ کے گل کی بو نہ پاتی
بے وقت کسی کو کچھ ملا ہے — پتّا نہیں حکم بن ہلا ہے

پہونچنا تاج الملوک کا ایک اندھے فقیر کے تکیے پر اور آزمانا گل کا

پھرنا جو وطن کا مُدعا ہے — اب صفحہ پہ یوں قلم پھرا ہے
وہ گلشنِ مُدّعا کا گلچیں — یعنے تاج الملوک حق بیں
جس وقت وہ گل چمن سے لایا — محمود وہ خوش ہوئی کہ آیا
کہنے لگی لو مراد پائی — بولا وہ جو یاں سے ہو رہائی
گل کی وہ غرض کر آشکارا — جوبن کی طرح اُسے اُبھارا
جب دیو سیاہ شب سے مہتاب — رخصت ہوا جیسے چشم سے خواب
اور گل لیئے آفتاب تاباں — ہنگام سحر ہوا شتابان
وہ مہر وش اور وہ ماہ پیکر — اُس دیونی پاس آئے مضطر
گل کی وہ غرض جتائی اُسکو — رخصت کی طلب سُنائی اُسکو
کیا کہتی وہ دیونی کہا جاؤ — دیووں سے کہا کہ تخت لاؤ

[۱] غبار سے بھری۔ یعنے رنج و غصہ سے بھری تھی ۱۲ آسی۔

دو بال دئے کہ لو مری لاگ
جب وقت پڑے دکھائیو آگ

دیو اُن کو سر پر بٹھا کے
پرواز کناں ہوا یہ جا کے

بولے کہ کدھر چلو گے کہدو
فردوس کے رُخ کہا ادھر کو

وہ مڑ کے اُدھر کو اُڑ کے آئے
گلزار میں بیسوا کے لائے

وقت سحر اور خنک ہوا تھی
گلگشت چمن ہیں بیسوا تھی

چار آنکھیں ہوئیں تو تھی تناسا
قدموں پہ گری وہ سایہ آسا

صدقے ہو کر کہا خوش آئے
جس گل کی ہوا لگی تھی لائے

ہمراہ یہ کون دوسری ہے
سایہ ہے کہ ہمقدم پری ہے

بولا شہزادہ شکر ہے ہاں
پُر ہے گل آرزو سے داماں

محمود وہ نام ہیں جو یہ ساتھ
پھول ان کے سبب سے آگیا ہاتھ

جیتا جو پھرا وہ رشک شمشاد
قیدی کیے بیسوا نے آزاد

شہزادے نے بھائیوں کے لے نام
بھجوایا برائے داغ پیغام

چھوٹوں اُس نے تھا اُن کو تایا[1]
سیتوں کھوٹوں[2] نے داغ کھایا

داغا تو چلے تفنگ سے وہ[3]
چھوٹے قید فرنگ سے وہ

چھوڑا ہوس گل و چمن کو
چاروں داغی پھرے وطن کو

بندوں کو کیا جب اُس نے آزاد
آیا لب جو وہ رشک شمشاد

اسباب کو کشتیوں پہ کر بار
سونپا سب ناخدا کو گھر بار

[1] تانا - پگھلانا ۱۲ [2] کھوٹوں سے مراد شاہزادے کے وہ بھائی جو بیسوا کے یہاں مال و متاع ہار گئے تھے ۱۲ [3] یعنے جب اُن چاروں کے داغ لگا دئے تو وہ اس تیزی کے ساتھ وہاں سے چلے جیسے تفنگ (بندوق) چلتی ہے ۱۲ آسی۔

جب متصل آ گیا وطن کے | خندے یاد آئے مرد و زن کے
سوچا کہ میں خود ہوں خانہ برباد | کیا جانیے کیا پڑے گی افتاد
لازم ہے کہ گل اپنے ہاتھ رکھیے | موقع نہیں بھیڑ ساتھ رکھیے
لنگر کا گیا انھیں اشارہ | خود کشتی سے کر گیا کنارہ
وہ پوربی[۵] کر کے جوگیا بھیس | جنگلے کی راہ سے چلا دیس
تکیہ پہ فقیر پیر اندھا | اک گوشے میں آنکھیں مانگتا تھا
تھا نقش قدم سا خاک رہ پر | ٹھہرا وہ مسافر اس جگہ پر
بے تجربہ تھی نمائش گل | واجب تھی آزمائش گل
پتلی پہ زرِ گل آزمایا | سونے کو کسوٹی پر چڑھایا
گل سے ہوئی چشم کور تاباں | ہو جیسے چراغ سے چراغاں
منھ دیکھ کے اس نے دی دعائیں | پنجے سے مژہ کے لیں بلائیں
گل کے جو اثر سے شادماں تھا | گل چیں وہ ہولے سے ہم عناں تھا

ملنا چاروں شہزادوں کا اور چھین جانا گل بکاؤلی کا تاج الملوک سے اور بینا ہونا چشم زین الملوک کا

ہے بسکہ یہ چرخ جور پیشہ | یوں خار رہ قلم ہے ریشہ
یہ جا کے اسی جگہ یہ ناگاہ | آ پہونچے وہ چاروں غول گمراہ

۵؎ چونکہ زین الملوک پورب کا ایک بادشاہ تھا لہذا شاہزادے کو پوربی کہا گیا ہے۔ جنگلہ جنگل۔ پوربی۔ جوگیا۔ جنگلہ۔ دیس۔ یہ سب راگنیوں کے نام ہیں۔ الفاظ میں صنعت تناسب ہے ۱۲ آسی۔

کہتے تھے کہ واہ رے مقدر — اُس شکل سے پھر کے جاتے ہیں گھر
کیا رنگ زمانے نے دکھائے — گل لینے گئے تھے داغ لائے
کس منہ سے پدر کے آگے جائیں — کیونکر بے پھول منہ دکھائیں
ٹھہرائی کہ اور پھول لے جائیں — گلحال کو بیوقوف ٹھہرائیں
اک بادہوائی توڑ کر پھول — کہنے لگے پھول[۵۱] پھول کر غول
کیا پھول ہے کیا اثر ہے اسمیں — ہو جاتی ہیں روشن اندھی آنکھیں
وہ کور کہ ہو چکا تھا بینا — دیکھا اُس نے جو یہ قرینا
بولا کہ یہ گل وہ گل نہیں ہے — اُس پھول کی اور گل[۵۲] زمیں ہے
وہ جوگی جو جاتے ہیں اگر آئیں — دکھلائیں وہ گل تو آنکھیں[۵۳] کھلجائیں
میں کور ابھی ہو چکا ہوں بینا — اندھا نہیں اب ہوا ہوں بینا
چاروں کو تھی حسرت گل تر — چوبائی[۵۴] ہوا کی طرح چل کر
اس جوگی کے جب برابر آئے — باہم کہا دیکھو پھول لائے
گل ہے کہ علاج نور ہے یہ — گل ہے کہ چراغ طور ہے یہ
جوگی یعنے وہ شاہزادہ — بولا کہ بکو نہیں زیادہ
پاتے اگر اس درخت کی چھاؤں — رکھتے ہی نہ تم زمین پر پاؤں
ڈینگ آپکی سب فضول ہے یہ — وہ گل یہ نہیں وہ پھول ہے یہ

۵۱ پھول پھول کر۔ یعنے اترا اترا کر ۱۲ ۵۲ گل زمین مراد نقش۔ وہ زمین جس پر پھلواری بوئی جائے ۱۲ ۵۳ آنکھیں کھل جانا۔ حیران رہ جانا۔ ہوش آنا۔ حقیقت حال معلوم ہونا۔ یہ محاورہ نہایت برمحل استعمال ہوا ہے ۱۲ ۵۴ چوبائی ہوا۔ وہ ہوا جو چاروں طرف چلتی ہو یہ چاروں بھائیوں کی رعایت سے کہا ہے ۱۲ آسی۔

یہ کہہ کے جو جیب سے نکالا
قوت میں وہ چار تھے یہ بیکس
غولوں نے بزور پھول اُڑایا
گل پانے سے بسکہ سرخرو تھے
تعجیل سے رو براہ آئے
گل لائے جو نذر دیدہ دلخواہ
تیغے سے پلک کے پھول اُٹھایا
نور آگیا چشم آرزو میں
خورشید بصر گہن سے چھوٹا
دولت جو پاس تھی لٹائی
ایک ایک کو اسقدر دیا زر
سجوائے طرب کے کارخانے

اُن مفت بروں نے ہاتھ ڈالا
شورش میں وہ چار موج[1] یہ خس
اُس خضر کو راستہ[2] بتایا
گھوڑوں پہ ہوا[3] کے مثل بو تھے
گل لے کے حضور شاہ آئے
آنکھوں کی طرح پھڑک[4] گیا شاہ
اندھے نے گل آنکھوں سے لگایا
آیا پھر آب[5] رفتہ جو میں
خیرات کے در کا قفل ٹوٹا
زر[6] بخشا گل کی رونمائی
محتاج و گدا ہوئے تونگر
بجوائے خوشی کے شادیانے

[1] تنکا موج کا مقابلہ نہیں کر سکتا کجا چار موج ۱۲ [2] راستہ بتانا۔ مراد دھتکارنا۔ بھگا دینا خضر کی رعایت سے راستہ بتانا کہا گیا ہے ۱۲ [3] ہوا کے گھوڑے پر سوار ہونا۔ جلدی چلنا۔ مغرور ہونا۔ یہاں پر دونوں معنے صحیح ہو سکتے ہیں ۱۲ [4] آنکھوں کی طرح پھڑک گیا۔ کسی اچھی چیز کو دیکھ کر بے قرار اور خوشی سے مضطرب ہو جانا ۱۲ [5] آب رفتہ بجو آمدن فارسی کا محاورہ ہے یعنی گئی ہوئی دولت واپس آنا ۱۲ [6] زر پھول کے زیرے کو بھی کہتے ہیں اس طرح علاوہ تناسب الفاظ کے اس لفظ کا استعمال بہت لطیف ہے ۱۲ آسی۔

پہونچنا بکاؤلی کا دارالخلافت زین الملوک میں اور وزیر ہوکر تاج الملوک کی تلاش میں رہنا

گلچیں کا جواب پتا ملا ہے — یوں شاخ قلم سے گل کھلا ہے

وہ باد چمن چمن خراماں — یعنے وہ بکاؤلی پریشاں

گلشن سے جو خاک اُڑاتی آئی — اُس شہر میں آتے آتے آئی

دیکھا تو خوشی کے چہچہے تھے — گلچیں کے شگوفے کھل رہے تھے

گلبانگ زناں تھا جو جہاں تھا — ایک ایک ہزار داستاں تھا

پاتے ہی پتا خوشی سے پھولی — شاد ایسی ہوئی کہ رنج بھولی

جادو سے بنی وہ آدمی زاد — انسانوں میں آملی پریزاد

سلطان کی سواری آرہی تھی — صورت جو نگاہ کی پری تھی

پوچھا اے آدم پری رو — انسان ہے پری ہے کون ہے تو

کیا نام ہے اور وطن کدھر ہے — ہے کونسا گل چمن کدھر ہے

دی اُس نے دعا کہا بصد سوز — فرخ ہوں شہا میں ابن فیروز

گل ہوں تو کوئی چمن بتاؤں — غربت زدہ کیا وطن بتاؤں

گھر بار سے کیا فقیر کو کام — کیا لیجئے چھوڑے گاؤں کا نام

پوچھا کہ سبب کہا کہ قسمت — پوچھا کہ طلب کہا قناعت

باتوں پہ فدا ہوا شہنشاہ — لایا بصد امتیاز ہمراہ

۵ شگوفے کھل رہے تھے۔ یعنے چرچے ہو رہے تھے ۱۲ آسی۔

چہرے سے امیر زادہ پایا — گھر لا کے وزیر اُسے بنایا
نذریں لے بندگان درگاہ — دستور سے آملے بصد جاہ
دربار میں چاروں شاہزادے — دیکھا کھلے وہ دل کے سادے[1]
چاہا گلچین کا امتحاں لے — پوچھا کہ نگیں جو لے کہاں سے
بتلانے لگے وہ چاروں ناداں — ق — کوئی یمن اور کوئی بدخشاں
جانا کہ جو گل یہ لائے ہوتے — خاتم کے نگیں بنائے ہوتے
تجویز میں تھا یہ صاحب فکر — آیا تاج الملوک کا ذکر
نقش اُس کو ہوا کہ بس وہی ہے — ان سادوں سے کندہ[2] کب ہوئی ہے
ظاہر نہ کیا بطون[3] اپنا — طالع سے لیا شگون اپنا
منزل گہ رہ رواں بنا کے — شام و سحر اُس میں آپ آکے
رہرو کو دیا یہ لطف و اکرام — آتے کو آرام جاتے پیغام

آباد ہونا تاج الملوک کا گلشن نگاریں بنوا کے اور شہرہ ہونا

تعمیر مکاں کے ہیں جو آثار — یوں خامہ ہے بہر بیت معمار
شہزادہ کہ عازم وطن تھا — گل پانے سے خوش چمن چمن تھا
اندھے کو کیا جب اُس نے بینا — اور داغیوں نے وہ پھول چھینا

---

۱ دل کے سادے سے مراد بھولے بیوقوف ۱۲ ۲ کندہ کب ہوئی ہے۔ محاورہ ہے یعنے ان سے کب کوئی ایسا کام ہو سکتا ہے ۱۲ ۳ بطون۔ باطن کا حال راز دلی ۱۲

سوچا کہ خوشی خدا کی غم کھاؤ ۔ حمالہ دیونی کو بلواؤ
نقل ارم اک مکاں بنا کے ۔ رکھو پریوں کو اس میں لا کے
بال آگ پہ رکھتے آندھی آئی ۔ وہ دیونی بال باندھی[1] آئی
تنہا اسے دیکھ کر کہا ہیں ۔ محمود وہ کیا ہوئیں کہا ہیں
دریا پہ ہوں ان کو چھوڑ آیا ۔ مسکن کے لئے تمھیں بلایا
لیکن وہ مکان وہ حوض وہ باغ ۔ جو باغ بکاؤلی کو دے داغ
حمالہ نے دیوؤں کو کیا یاد ۔ آئے تو کہا یہ بن ہو آباد
ویرانے کو گل زمیں بناؤ ۔ گلزار جواہریں بناؤ
صناع طلسم کار تھے وہ ۔ گلشن کے لئے بہار تھے وہ
دیوؤں نے ادھر محل بنایا ۔ کشتی سے وہ دخت رز کو لایا
حمالہ اس کی مادر پیر ۔ محمودہ سے ہوئی بغلگیر
کچھ دیوؤں کو چھوڑ کر وہیں پر ۔ رخصت ہو کر چلی گئی گھر
گلشن میں سمن بروں کو لایا ۔ نسریں بدنوں سے گھر بسایا
دونوں کو محل میں لا کے رکھا ۔ پھل نخل مواصلت کا چکھا
دیوؤں کو کہا کہ بہر تمکیں ۔ آباد ہو گلشن نگاریں
دیو آدمی بن کے بن میں آئے ۔ آتے جاتے کو گھیر لائے
جو سن کے خبر گیا ادھر کو ۔ جنت سے وہ پھر پھرا نہ گھر کو

[1] بال باندھی۔ تابع فرمان۔ اور چونکہ حمالہ نے کچھ بال دئے تھے کہ جب مجھے بلانا ہو تو ان بالوں کو آگ دکھانا۔ اس لئے اس محاورے کا صرف اک لطف رکھتا ہے ۱۲

از بسکہ قریب شہر تھا باغ
مفلس زر دار امیر قلّاش
گھر چھوڑ کے چل بسے سب انساں

خورشید اُفق نظر پڑا باغ
نوکر تا جر فقیر خوش باش
پھر تن ہیں نہ آئے صورت جاں

ملاقات ٹھہرنی زین الملوک اور تاج الملوک کی آپسمیں

گلشن جو بنا جو اہر آگیں
ساعد نام ایک مہ لقا تھا
صحرا سے جو سیر کر کے آیا
دلوائے ہر ایک کو بئے قوت
تھی بسکہ وہ جا خلاصۂ دہر
کف میں وہ جو لعل بے بہا تھے
شحنے[۲] نے سنا پکڑ بلایا
دیکھا تو جلوہ گاہ اُمید
دروازے پہ دیوؤں کا تھا پہرا
جب واں سے طلب ہوا تو دربان
آداب کیا ادب سے ٹھہرا
اُن لوگوں کو لے گیا تھا ہمراہ

یوں صفحۂ قلم سے ہے نگاریں
دلبر کا غلام با وفا تھا
لکڑی کے چکا کے بوجھ لایا
الماس و عقیق و لعل و یاقوت
کچھ ٹھہرے کچھ آئے جانب شہر
من[۱] پاتے ہی لوگ اژدہا تھے
لے کر اٹھا رسا تھ لایا
اک دائرہ تھا برنگ خورشید
بھجوا کے خبر وہ شحنہ ٹھہرا
لائے اُسے پیش گاہ سلطان
حیرت زدہ دور سب سے ٹھہرا
معروض کیا کہ یا شہنشاہ

۱ من پاتے۔ یعنی اُن لعلوں کو دیکھ کر لوگ بگڑ گئے ۱۲ ۲ شحنہ۔ کوتوال شہر۔ چوکیدار ۱۲ آسی

گم ہا یہ یہ لوگ ہیں بظاہر — چوری کے تو یہ نہیں جواہر

ساعد نے کہا کہ ہے یہ حاسد — نیت ہوئی ہو گی اُس کی فاسد

حضرت یہ وہی تو ہیں تبردار — جان سے نہ بولیو خبردار

پھر کر اُلٹیں پانوں[51] شحنہ بے آس — آیا زین الملوک کے پاس

کی عرض کہ باغ اک بنا ہے — یہ شہر اُجڑ کے وہ بسا ہے

جو کوئی ہے اُس جگہ یہ جاتا — ڈھیروں ہے جواہرات پاتا

حضرت نے کہا کہ بک نہ خیرہ — قارون کا وہیں ہے کیا ذخیرہ

فرخ کہ وزیر باخرد تھا — سلطاں کا مشیر نیک و بد تھا

بولا کہ شہا یہ بات کیا ہے — نیرنگ و فسوں کا گھر بڑا ہی

ہر چند کہ طرفہ حال ہے یہ — کچھ دور نہیں مثال ہے یہ

حکایت ایک عورت کے مرد بنجانیکی دیو کے جادو سے

اک ملک میں ایک صاحب فوج — رکھتا تھا محل میں باردر[52] زوج

تھا داغ پسر مقدر اُس کو — جننی تھی ہمیشہ دختر اُسکو (جنتی)

از بس کہ وہ شاہ تھا بد اختر — کرتا تھا حسد سے قتل دختر

اک بار محل میں پھر حمل تھا — وہ شاہ کہ ظلم میں مثل تھا

کھا بیٹھا قسم کہ اب کی باری — بیٹا جو نہ دے جناب باری

[51] اُلٹیں پانوں پھرنا - اُلٹے پانوں پھرنا - فوراً واپس ہونا ۱۲ [52] باردر - حاملہ - زوج سے مراد زوجہ ۱۲ آسی -

اقبال کا کچھ نہ جانئے اوج
کنیّا[۱] تھی غرضکہ راس اُسکی
سُلطان کا جو عہد بے خلل تھا
ملحوظ بدل تھا پردہ راز
ہر چند ستارہ ماں کا تھا ماند
پھر اہل نجوم محرم راز
بیٹے کا وہ زائچہ بنا کے
حضرت یہ پسر ہے نیک اختر
جب تک نہ چلے یہ اپنے پاؤں
حیلہ کر کے چھپائی یکچند
وہ گندم جو نما تھی بالی
خوش ہو کے پدر نے بہر شادی
بن ٹھن کے عروس شکل داماد
اک شب کسی دشت میں تھے ڈیرے
خیمے سے وہ بے قرار نکلی
دیکھا تو اندھیری رات سنسان
اک دیو وہاں پہ گشت میں تھا

گر ڈالیے ذبح دختر و زوج
پوری نہ ہوئی وہ آس اُس کی
گھر والوں کو خوف کا محل تھا
سیّارہ شناسوں سے کیا ساز
تھی چاندنی شہرہ کر دیا چاند
بانوئے فلک سے ہو گے دمساز
گویا ہوئے دست بستہ آ کے
بدبین مگر ہے ایک اختر
حضرت نہ پسر کے سامنے ہوں
بیتاب ہوا جب آرزو مند
مردانہ لباس سے نکالی
ٹھہرائی کہیں کی شاہزادی
شادی کو چلی بجان ناشاد
اور روز نکاح تھا سویرے
اُس چھالے سے مثل خار نکلی
اک عالم ہو ہے اور بیابان
جویائے شکار دشت میں تھا

۱ کنیّا راس چھٹی راس کا نام ہے۔ ایسے لوگ پست اقبال ہوتے ہیں۔ کنیّا راس اسلئے کہا کہ اُس کے ہمیشہ لڑکی پیدا ہوتی ہے۔ کنیّا کنواری لڑکی ۱۲ آسی۔

دیکھا تو کہا خضر ملے آؤ — منہ کھولو عدم کی راہ بتلاؤ
بولا وہ کہ سن تو آدمی زاد — کیوں تنگ ہی جی سے کیا ہے بیداد
اے مرد خدا خدا کی سوگند — کہہ کس لئے ہے تو آرزومند
بولی وہ کہ یہ خیال ہے خام — خنجر کا ہو گیا نیام سے کام
کہہ کر کھلے بندوں جی کی تنگی — بے ننگ ہوئی وہ شوخ ننگی
آنکھیں جھپکا کے دیو بولا — تو کیا کھلی پردہ تو نے کھولا
خاطر تری اے طلسم دکھلاؤں — تو مجھ سی بنے میں تجھ سا بن جاؤں
موند آنکھ کہا تو موند لی آنکھ — کھول آنکھ کہا تو کھول دی آنکھ
پائے مردانگی کے پر تو — دامن میں سے دی چراغ نے لو
تھالی میں یہاں اگا صنوبر — واں شیشہ رہا ترشکے ساغر
اب یاں سے ہے قصہ مختصر طول — فرخ کہ وہ تھا وزیر معقول
بولا کہ شہا جو یہ ہوا ہے — اس بات کا کچھ وجود کیا ہے
شہ نے کہا سن وزیر دانا — بے دیکھے سنے کو کس نے مانا
یاد آئی مجھے بھی اک روایت — یہ کہہ کے بیان کی حکایت

حکایت نصیحت گری مرغ اسیر اور نافہمی صیاد کی

اک مرغ ہوا اسیر صیاد — دانا تھا وہ طائر چمن زاد
بولا جب اس نے باندھے بازو — کھلتا[1] نہیں کس طمع پہ ہے تو

[1] کھلتا نہیں یعنی معلوم نہیں ہوتا ۱۲ آسی

بیچا تو ٹکے کا جانور ہوں
گر ذبح کیا تو مشت پر ہوں

پالا تو مفارقت ہے انجام
دانا ہو تو مجھ سے لے مرے دام

بازو میں نہ تو مرے گرہ باندھ
سمجھاؤں جو پند اُسے گرہ باندھ

سُن کوئی ہزار کچھ سُنائے
کیجے وہی جو سمجھ میں آئے

قابو ہو تو کیجئے نہ غفلت
عاجز ہو تو ہاریے نہ ہمّت

آتا ہو تو ہاتھ سے نہ دیجے
جاتا ہو تو اُس کا غم نہ کیجے

طائر کے یہ سُن کلام صیّاد
بن داموں ہوا غلام صیاد

بازو کے جو بند کھول ڈالے
طائر نے تڑپ کے پر نکالے

اک شاخ پہ جا چہک کے بولا
کیوں پر مرا کیا سمجھ کے کھولا

ہمت نے مری مجھے اُڑایا
غفلت نے تری مجھے چھُڑایا

دولت نہ نصیب میں تھی تیرے
تھا لعل نہاں شکم میں میرے

دے کر صیّاد نے دلاسا
چاہا پھر کچھ لگائے لاسا

بولا وہ کہ دیکھ کر گیا جعل
طائر بھی کہیں نگلتے ہیں لعل

ارباب غرض کی بات سُنکر
کر لیجئے یک بیک نہ باور

فرخ یہ وہی مثل نہ ہووے
دیکھ آ جو تجھے دہل نہ ہووے

مشتاق تو تھا چلا وہ دستور
دکھلائی دیا وہ بقعۂ نور

نقشے میں وہ گلشن نگاریں
گلزار ارم سے تھا خوش آئیں

حیرت تھی کہ یہ طلسم کیا ہے
پردیس میں ہوں کہ گھر مرا ہے

اس سوچ میں تخت گہ تک آیا
حیراں وہ وزیر شہ تک آیا

آداب اک کر کے حسب دستور ٹھہرا تو وہ بادشاہ مستور[۱]
سمجھا کہ حسین آدمی ہے کیا جانے کہ خود بکاولی ہے
پوچھا کہ کدھر سے آئے کیا نام بولا وہ کہ نام سے ہے کیا کام
انسان ہوں بندۂ خدا ہوں بھیجا زین الملوک کا ہوں
گستاخی معاف آپ آئے بن گھیر لیا مکان بنائے
بھکا کے بسائے مردم شہر حضرت کا بڑا ہے آپ پر قہر
دعویٰ یہ ہے یاں زین دابی آبادی میں آئی ہے خرابی
خیر اب بھی رفع شر جو چاہو سر آنکھوں سے چل کے جبہ سا ہو
بولا وہ کہ فتنہ گر نہیں ہم شر جن سے ہو وہ بشر نہیں ہم
درویشی میں دل کے بادشاہیں مسند کے تکیے پر گدا ہیں
دستور کہ عرض کر چکا تھا مثل دل بدگماں رکا تھا
بولا چلو صلح درمیاں ہو باہم مہ و مہر کا قراں ہو
بولا وہ فقیر کی بلا جائے مشتاق جو ہو وہ شوق سے آئے
بولا وہ کہ خیر تا بفردا اٹھ جائے گا درمیاں سے پردا
یہ کہہ کے پھرا وزیر آیا پہونچا تو وہ شہر خالی پایا
شہزادہ و شہ محل میں تھے واں برہم[۲] زدہ بزم کے چراغاں

۱ مستور - یعنے جس کا ذکر ہو چکا اور جو اپنے آپ کو چھپائے ہوئے تھا ۱۲
۲ یعنے جس سے کہ محفل برہم ہو جائے اور صرف چراغاں ہی چراغاں باقی رہ جائے۔ اسی طرح شہر خالی تھا اور صرف یہی لوگ باقی رہ گئے تھے ۱۲ آسی

شہ نے جو وزیر آتے دیکھا
فرخ فرخ پکار اُٹھا

سلطاں کے نثار ہو کے دستور
بولا کہ بلائے شاہ ہو دور

دیکھ آیا میں وہ مکانِ یاقوت
ہے معدنِ لعل و کانِ یاقوت

تختہ ہے زمردیں کہ مینو
گلشن ہے جواہریں کہ جادو

نقشہ کہوں کیا نگارخانہ
جادو کا تمام کارخانہ

دیووں کی بنائی ہے وہ بنیاد
رہنے والے ہیں آدمی زاد

واں صاحب تاج و تخت جو ہے
درویش ہے شاہ نام گو ہے

دیو اُس کے عمل میں آگئے ہیں
جادو کے محل بنا گئے ہیں

کل آپ بھی چل کے کیجیے سیر
وعدہ کر آیا ہوں کہا خیر

بھید کھلنا چھپے ہوؤں کا ایک ایک پر

اب خامے سے انکشاف یوں ہے
دل ملنے کی راہ صاف یوں ہے

فرخ جو گیا تو شاہزادہ
سوچا کہ ہوں ٹھاٹھ کل زیادہ

رکھا آتش پر دوسرا بال
حاضر ہوئی دیو فی قوی بال

دعوت کی اُسے خبر سنائی
دیووں کے رُخ اُس نے آنکھ اُٹھائی

ہمچشموں نے چتون اُسکی تاڑی
پلکوں سے زمین بن کی جھاڑی

غولوں سے بھرا جو تھا بیاباں
پھولوں سے بنا دیا خیاباں

صناعی اُنھوں نے رات بھر کی
مشتاق نے واں وہ شب سحر کی

بجتے ہی گجر وہ شاہ ذی جاہ
چاروں شہزادے لے کے ہمراہ

جو جو امرا تھے سب بلا کے / فرخ کو خواصی میں بٹھا کے
مشرق سے رواں ہوا دلاور / جس طرح اُفق سے شاہ خاور
بجلی سے جو زرق برق آئے / فرش ابر کی طرح بچھتے پائے
دیکھا تو تمام دشت گلزار / دائیں بائیں دو رستہ بازار
شہ کہتا تھا دشت پر خسک تھا / فرخ کہتا تھا کل تلک تھا
غافل تھے کہ سبز باغ[۱] ہے یہ / اپنے ہی جگر کا داغ ہے یہ
تجویز رہے تھے سب کے سب دنگ / جادو افسوں طلسم نیرنگ
اتنے میں سنا کہ صاحب تاج / جتنا بڑھے آگے سب ہو تاراج
کیا لشکری اور کیا شہنشاہ / سناٹے میں تھے کہ اللہ اللہ
دیکھے جو جواہرات کے ڈھیر / سب من[۲] کی ہوس سے ہو گئے سیر
شہزادے نے آمد اُن کی پائی / کی تا در خانہ پیشوائی
دونوں میں ہوئیں جو چار آنکھیں / دولت کی کھلیں ہزار آنکھیں
ایوان جواہریں میں آئے / الماس کے شہ نشیں میں آئے
وہ چتر کے زیر سایہ بیٹھے / افسر سب پایہ پایہ بیٹھے
جو جو کہ تواضعات ہیں عام / لے آئے خواص نازک اندام
چکنی ڈلی عطر الائچی پان / نقل و مے و جام و خوان الوان
رغبت سے اُنھیں کھلا پلا کے / بولا شہزادہ مسکرا کے

۱ سبز باغ۔ باغ کی رعایت سے بہت اچھا محاورہ ہے۔ یعنی دھوکا فریب ۱۲
۲ من کی ہوس۔ یعنی دل میں جتنی آرزو تھی ۱۲ آسی۔

اس تاج شہی میں کے نگیں ہیں — کے نام و نشان و لنشیں ہیں
سلطاں نے کہا بصد لطافت — یہ چار ہیں عنصر خلافت
اک اور ہوا تھا قابل خشم — وہ نور بصر تھا دشمن چشم
جب لائے یہ گل بکاولی کا — نکلا تب خار روشنی کا
پوچھا اُس نے وہ اب کدھر ہے — سلطاں نے کہا کہ کیا خبر ہے
پوچھا شاہزادے نے کہ یا شاہ — صورت سے ہے اسکی کوئی آگاہ
اک اُن میں سے چشم آشنا تھا — کو کا اسی شاہزادے کا تھا
بولا کہ حضور ادھر تو دیکھیں — دیکھا تو کہا مری نظر میں
صورت وہی رنگ رو وہی ہے — لہجہ وہی گفتگو وہی ہے
یہ سنتے ہی اُس نے خندہ کرکے — سر پاؤں پہ رکھدیا پدر کے
سر قدموں سے شاہ نے اُٹھایا — فرزند کو چھاتی سے لگایا
لے لے کے بلائیں کاکلوں کی — پیشانی چومی پیٹھ ٹھونکی
عرض اُس نے کیا کہ وہ پرستار — پابوسی شہ کی ہیں طلبگار
حضرت نے کہا بلائیے خیر — اُٹھ جائیں جو بیٹھے ہوں یہاں غیر
شہزادے نے اک مکاں بتایا — ایک ایک اُٹھا اُدھر کو آیا
سب اُٹھ گئے پر وہ چاروں داغی — بیٹھے رہے فرش گل پہ داغی
شہزادہ اُٹھا محل میں آیا — پردے تلک اُن کو ساتھ لایا
دلبر سے کہا میں جب کہوں آؤ — تو کہیو یہ چاروں داغی اُٹھو
در پردہ سکھا کے باہر آیا — بے پردہ حضور شہ بلایا

دلبر نے کہا نجاؤں گی میں — قربان گئی نہ آؤں گی میں

اُٹھ جائیں یہ چاروں سست بنیاد — داغی ہوئے ہیں غلام آزاد

چاروں کا یہ سنتے ہی اُڑا رنگ — یکبارگی شاہ ہو گیا دنگ

دکھلائی دئے جو بیٹھے بے رُخ — دیکھا تاج الملوک کے رُخ

یاں دل پہ تھے داغ واں سرین پر — یاں نام پہ حرف واں نگیں پر

وہ جعل وہ ہار وہ غلامی — وہ گھات وہ جیتنا تمامی

وہ دسترس اور وہ پایمردی — وہ بیکسی اور وہ دشت گردی

وہ دیو کی بھوک اور وہ تقریر — وہ حلوے کی چاٹ اور وہ تحریر

وہ سعی وہ دیونی کی صحبت — محمود وہ کی وہ آدمیت

تجویز کے وہ سرنگ کی راہ — اور موش دوانیاں وہ دلخواہ

وہ سیر چمن وہ پھول لینا — وہ عزم وطن وہ داغ دینا

وہ کور کے حق میں خضر ہونا — وہ غولوں سے ملکے پھول کھونا

وہ بال کو آگ کا دکھانا — وعدے پہ وہ دیونی کا آنا

وہ نزہتِ گلشن نگاریں — وہ دعوت بادشہ وہ تمکیں

گذرا تھا جو کچھ بیاں کیا سب — پنہاں تھا جو کچھ عیاں کیا سب

انگشتری پری دکھا کر — کھلوائی سرین کی مہر محضر

پہلے تو بہت وہ منہ چڑھے ڈھیٹ — آخر داغی دکھا گئے پیٹھ[1]

اُٹھوا کے اُنھیں وہ خوش آئیں — پابوسی شہ کو سر سے آئیں[2]

---

[1] پیٹھ دکھا جانا۔ بھاگ جانا۔ ہار کر فرار ہونا ۱۲ [2] سر سے آنا۔ سر کے بل چل کے آنا۔ یہ کمال تعظیم پر دلالت کرتا ہے ۱۲ آسی۔

حضرت نے سمجھ کے حسن خدمت
نذریں ان دونوں نے دکھائیں
مسند سے شہ اُٹھ کے بے محابا
روشن کیا دیدۂ پدر کو
مشتاق کو رو براہ پایا
ماں نے دیکھا جو وہ دلاور
وہ طفل بھی گر پڑا قدم پر
ہر خویش و بیگانہ سے ملا وہ

دونوں کو دئے خطاب و خلعت
رخصت ہو کر محل میں آئیں
بولا بیٹے سے جان بابا
مادر کے بھی پیالکے آنسو پونچھو
ہمرہ اُسے تابخانہ لایا
اشکوں کے گہر کیے نچھاور
مانند سرشک چشم مادر
پھر اپنی جگہ پہ آگیا وہ

غائب ہو جانا فرخ یعنی بکاولی کا اور بلوانا تاج الملوک کو گلشن نگارین سے اور متفق ہو کر گلزار ارم میں رہنا

کھلنے پہ جو ہے طلسم تقدیر
فرخ وہ بادشہ کا دستور
مطلوب کا سُن سمجھ کے سب حال
سوچی کہ دلا شتاب کیا ہے
اُس وضع کا پاس کر گئی وہ
فرخ کہنے کو آدمی تھی
غربت سے چلی وطن میں آئی
پژمردہ خواصوں میں پڑی جان

اب خامے نے یوں کیا ہے تحریر
یعنی وہ بکاولی مستور
چاہے کہ نکالے کچھ پر و بال
پھر سمجھیں گے اضطراب کیا ہے
تغییر لباس کر گئی وہ
پھر وہ ہی بکاولی پری تھی
صحرا سے اُڑی چمن میں آئی
صدقے ہوئی کوئی کوئی قربان

اُس غنچہ میں اک سمن پری تھی ۔۔۔ وہ ہم نفس بکاؤلی تھی
بولی کہو کیا کیا کہا خوب ۔۔۔ بے کچھ کہے پھر بھی آئی کیا خوب
مانگا کاغذ دوات خامہ ۔۔۔ لکھا گلچین کے نام نامہ

نامہ

اے یوسف چشم زخم یعقوب ۔۔۔ وے رشک برادران منکوب
اے دلبر دلبراں دغا باز ۔۔۔ وے دیو سوار عرش پرواز
اے آب تہ زمین نیرنگ ۔۔۔ وے نقب دوان باغ گلرنگ
اے پردہ کشائے بے حجابی ۔۔۔ وے دزد حنائے دستیابی
اے رہرو رو بہ رہ نہادہ ۔۔۔ وے ہر سر گل بباد دادہ
اے بے سر و برگ گلشن آرا ۔۔۔ وے لعل نمائے سنگ خارا
اے بے خبر طلسم صورت ۔۔۔ وے بے بصر رخ ضرورت
اے باعث عزم میزبانی ۔۔۔ وے صاحب بزم مہربانی
اے آئینہ دار خود نمائی ۔۔۔ وے سرمۂ چشم آشنائی
اے پردہ کشائے روئے پنہاں ۔۔۔ وے داغ نمائے پشت اخواں
تو باغ ارم سے لے گیا گل ۔۔۔ تو مجھ سی پری کو دے[1] گیا جل
بے رخ ترے واسطے ہوئی ہیں ۔۔۔ فرخ ترے واسطے ہوئی ہیں
تجھ کو ترے باپ سے ملایا ۔۔۔ مجھ کو یہ ملا کہ تجھ کو پایا
جو جو اسرار تھے نہانی ۔۔۔ سب تجھ سے سنے تری زبانی

[1] جل دینا۔ دھوکہ دینا ۱۲ آسی۔

کیا لطف جو غیر پردہ کھولے
جادو[۵۱] وہ جو سر پہ چڑھ کے بولے
چاہا تھا کروں سرے سے پامال
کر شکر سمجھ کہ تھا خوش اقبال
کیا کہیے کہ صورت اور کچھ تھی
وقت اور ضرورت اور کچھ تھی
اب تک ہیں وہ خارجی کے جی میں
جلد آ کہ ہے مصلحت اسی میں
آئے گا تو درگذر کروں گی
ورنہ میں بہت سا شر کروں گی
داغوں پہ دیے ہیں داغ تو نے
دکھلائے ہیں سبز باغ تو نے
کانٹوں میں اگر نہ ہوا الجھنا
تھوڑا سا لکھا بہت سمجھنا
پھر خط کی نہ ہو امیدواری
القط[۵۲] ہے قلم کی دوستداری
یہ لکھ کے کہا سمن پری کو
چالاک ہے تو ہی قاصدی کو
یہ خط یہ انگوٹھی لے ابھی جا
پورب کی سمت کو چلی جا
رستے میں ہے گلشن نگاریں
رہتا ہے وہیں مرادہ گلچیں
خاتم کے نشاں سے نامہ دیجو
ٹھہری رہیو جواب لیجو
خط خاتم لے کے وہ ہوائی
پتا ہوئی اور پتے پہ آئی
وہ باغ کہ تھا جواہر آگیں
ثابت ہوا گلشن نگاریں
وہ آدم حور وش پری رو
یعنے تاج الملوک خوش خو
گلگشت میں تھا کسی روش پر
محو وہ دائیں بائیں دلبر
قاصد نے جو رخ پری دکھایا
دھیان اسکو بکاولی کا آیا

---

۵۱ جادو وہ جو الخ - یعنی مزا جب ہے کہ خود اپنا راز کھولے ۱۲ ۵۲ قلم کی دوستی القط - یعنے اب میں خط نہ لکھوں گی ۱۲ آسی۔

پہچانتے ہی نگین خاتم — بے شبہہ ہوا یقیں کا عالم
پرتو پہ وہ یوں چلا تڑپ کے — انگارے پہ جیسے کبک لپکے
دھوکا تھا فقط بکاؤلی کا — قاصد نے دیا وہ خط پری کا
گو سرمۂ خموشی نے کھلایا — تحریر کو آنکھوں سے لگایا
قاصد سے کلام لطف بولا — خط صورت چشم شوق کھولا
وہ نامہ کہ عنبریں رقم تھا — قسمت کا نوشتہ یک قلم تھا
تحریر تھی سرگذشت ساری — کچھ یاس تھی کچھ اُمیدواری
منگوا کے وہیں دوات و خامہ — تحریر کیا جواب نامہ

جواب نامہ

اے شاہ ارم کی دخت گلفام — فرخ لقب و بکاؤلی نام
اس نام کے اس لقب کے صدقے — اس نامہ کے اس طلب کے صدقے
میں نے جو غرض سے جی چرایا[1] — تو نے کیوں آ کے منھ چھپایا
میری جو بدی[2] ہوئی تھی کچھ یوں — تو نیک تھی بے ملے گئی کیوں
تو جائے تو کیوں نہ آئے افسوس — افسوس افسوس ہائے افسوس
تقدیر[3] پھری نہیں تو — اُمید گئی گئی نہیں تو

[1] یعنی میں غرض کی وجہ سے ملنے سے بچا ۱۲ [2] بدی ہوئی میری تقدیر میں یہ بدا تھا۔ یہ لفظ بطریق صنعت ایہام استعمال ہوا ہے کیونکہ بدی کے معنی برائی کے بھی لئے جا سکتے ہیں۔ نیکی اسی رعایت لفظی کے لئے دوسرے مصرع میں لائے ہیں ۱۲ [3] تقدیر پھری یعنی برگشتہ ہو گئی ۱۲ آسی۔

اے کاوش میں کچھ بھی سانس[۱] پاتا / جی کھول کے داغ دل دکھاتا
معلوم تو ہے کہ شوق کیا تھا / جو کھینچ کے یاں سے لے گیا تھا
اب مجھ میں وہ دم اجی کہاں ہے / وہ دل وہ جگر وہ جی کہاں ہے
مر جاؤں اگر طلب میں تیری / میں کیا کہ خبر نہ پہونچے میری
قابل وہاں آنے کے کہاں ہوں / یاں بھی جو رہا تو نیم جاں ہوں
تجھ سے مری خاطر اب کہاں جمع / تو نشتر شعلہ میں رگِ شمع
تو برق دماں میں خرمنِ خار / تو سیل رواں میں خستہ دیوار
تو جوشش یم میں مور بے پر / میں نقش قدم تو باد صرصر
دھڑکا ہے یہی تو جان دونگا / مر جاؤں گا اب نہیں جیوں گا
ہو تجھ سی پری جو خصم جانی / انساں کی ہے مرگ زندگانی
منظور جو ہو حیات میری / تو مان لے ایک بات میری
حمالہ کو بھیج آ کے لے جائے / شاید مجھے زندہ پا کے پہونچائے
بھیجا نہ اُسے تو جان لینا / آساں ہے یہاں بھی جان دینا
یہ لکھ کے جو خط سے ہاتھ اٹھایا / قاصد نے لیا جواب لایا
مطلوب کا خط وہ پڑھ رہی تھی / دیکھا تو وہ دیونی کھڑی تھی
پوچھا کہ اری تجھے خبر ہے / گلچیں مرا کونسا بشر ہے
وہ صدقے ہوئی کہا بلا لوں / بے دیکھے کسی کا نام کیا لوں
یہ سُن[۲] کے وہ شعلہ ہو بھبوکا / بولی کہ تجھے لگاؤں لوکا

۱ سانس پانا موقع پانا ۱۲ ۲ بھبوکا ہونا غصہ میں سرخ ہو جانا۔ تجھے لوکا لگاؤں عورتوں کی زبان ہے۔ جو سخت غصہ کی حالت میں کہتی ہیں۔ شعلہ بھبوکا۔ لوکا۔ میں تناسب الفاظ ہے ۱۲ آسی

تیرا ہی تو ہے فساد مُردار — داماد کو گل دیا مجھے خار

گل نقب کی راہ لے گیا چور — زندہ کروں اُس موے کو در گور

حمالہ جلی ہوں کیا کہوں میں — داماد کو لا تو ٹھنڈی ہوں میں

آگاہی جو دیونی نے پائی — بگڑی ہی ہوئی بات یوں بنائی

محمودہ ہے اک کنیز زادی — انساں سے ہوئی ہے اُسکی شادی

میرا تو نہیں قصور ہے کچھ — شاید اُس کا فتور ہے کچھ

مجرم جو وہ ہے تو لو میں لائی — یہ کہہ کے اُٹھی چلی ہوائی

آئی تو یہ زار نیم جاں تھا — آپ اپنی قضا کا نوحہ خواں تھا

حمالہ کو دیکھتے ہی رو رو — پوچھا کہ تو لینے آئی مجھ کو

بولی[۱] وہ بنے بگاڑ کیا ہے — چل دیکھ تو چھیڑ چھاڑ کیا ہے

کچھ بول کے زیر لب وہ دل زار — ہیجان میں تپ کے جیسے بیمار

لرزہ سا چڑھا جو دیونی پر — مانند حواس اُڑی وہ مضطر

اُس سمت سے پہونچی یہ عقیلہ — واں آئی پری کی ماں جمیلہ

شکوہ کرنے لگی پری سے — یوں کہنے لگی بکاولی سے

گلزار کی سیر خوب بھائی — برسوں سے نہیں تو گھر بھی آئی

بے طرح گلوں کی ہے تو شیدا — گلچیں نہ ہوا ہو کوئی پیدا

---

[۱] یعنی حمالہ نے جواب دیا کہ بنے (لاڈ پیار میں کسی نوجوان کو خطاب کرتے ہیں) اور بنے کے معنے نوشہ کے ہیں۔ چونکہ حمالہ نے اپنی لڑکی محمودہ کی اس سے شادی کی تھی اس لیے شاہزادے کے لئے اس کی زبان سے یہ لفظ بہت مناسب ہے۔ بگاڑ۔ ہرج۔ نقصان ۱۲ منہ

کھلتے ہیں کچھ انتظار کے طور
رخ میری طرف نظر کہیں اور
مادر کے کلام سن کے دختر
بولی کہ چمن تو ہے مرا گھر
میں کیا جانوں مجھے خبر کیا
رخ کس کو کہتے ہیں نظر کیا
تقریر جو بھولے پن کی پائی
وہ سادہ دل اٹھ کے گھر کو آئی
جب اٹھ گئی یہ تو دیونی وہ
حاضر ہوئی لے کے آدمی کو
آیا تو وہ منتظر تھی خونخوار
اندیشے سے کانپ اٹھا گنہگار
واں غصہ بھری غضب وہ چتون
پلکوں سے یہاں نظر پہ چلمن
واں سرمۂ چشم گرمِ تسخیر
یاں قطرۂ اشکِ تر گلوگیر
واں پھانسنے کو بلا وہ گیسو
یاں تابِ سخن نہیں سرِ مو
بولی وہ پری بصد تامل
کیوں جی تمھیں لے گئے تھے وہ گل
کیا کہتی ہوں میں ادھر تو دیکھو
میری طرف اک نظر تو دیکھو
ہے یا نہیں یہ خطا تمھاری
فرمائیے کیا سزا تمھاری
قابو میں پری کے تھا سلیماں
بولے بتلائے کیا پشیماں
کی عرض رضا ہے جو خوشی ہو
عاشق کی سزا جو پوچھتی ہو
مشکیں زلفوں سے مشکیں کساؤ
کالے ناگوں سے مجھ کو ڈسواؤ
تلوار سے قتل ہو جو منظور
ابرو کے اشارے سے کرو چور
زنداں میں جو زندہ بھیجنا ہو
اپنے دلِ تنگ میں جگہ دو
یہ سن کے وہ شوخ مسکرا کے
بولی اسے چھاتی سے لگا کے
گلچیں تو نہیں فقط چمن کا
محرم ہے سارے تن بدن کا

رخ دیکھ چکی ہوں اب ترا میں — منہ دوسرے کو دکھاؤں کیا میں
یہ کہہ کے لبوں سے قند گھولے — مستی نے دلوں کے عقدے کھولے
کاوش پہ ہوا گہر کے الماس — غنچہ نے بجھائی اوس سے پیاس
واں غنچۂ یاسمیں تھا گلنار — یاں دامن سرو ارغواں زار
واں صبح صفا تھی گل بداماں — پھولی رخ مہر پر شفق یاں
کیا آگے لکھوں کہ اب سر دست — ہوتا ہے دوات میں قلم مست

افشائے راز ہو کر پھنسنا تاج الملوک کا طلسم میں اور مقید ہونا بکاولی کا

خونی رقمی سے کلک شنجرف — ہے سرِ کشائے معنی و حرف
ازبسکہ یہ عشق فتنہ پرداز — ہے شمع فروز پردۂ راز
ہمدم جو بکاولی نے پایا — غماز یہ غم خوشی میں لایا
بھڑکا گئی جمیلہ مادر اسکی — گذرانی خبر برابر اسکی
اک شب کہ تھی خال روئے شامت — یا مردمِ دیدۂ قیامت
آگر جو ہے دیکھتی جمیلہ — روشن ہے چراغ اور فتیلہ
وہ شعلۂ آتشیں لپک کے — بجلی سی گری چمک دمک کے
دونوں کی رہی نہ جان تن میں — کاٹو تو لہو نہ تھا بدن میں
شہزادے پہ اس نے مار چنگال — دریائے طلسم میں دیا ڈال
بیٹی کی طرف کیا اشارہ — جھلا کے کہا کہ خام پارہ

حرمت میں لگایا داغ تو نے | لٹوائی بہارِ باغ تو نے
تھمتا نہیں غصہ تھامنے سے | چل دُور ہو میرے سامنے سے
خجلت سے پری زمیں میں گڑ کے | سایہ[۵۱] سی رہی قدم پکڑ کے
مادر نے ہزار پاسباں میں | رکھا اُسے قید کے مکاں میں

پابزنجیر ہونا بکاولی کا سودائے فراق تاج الملوک میں

سودائے الم ہے اب جو تحریر | حرفوں سے قلم ہے پابزنجیر
سنسان وہ دم بخود تھی رہتی | کچھ کہتی تو ضبط سے تھی کہتی
کرتی تھی جو بھوک پیاس بس میں | آنسو پیتی تھی کھا کے قسمیں
جامے[۵۲] سے جو زندگی کے تھی تنگ | کپڑوں کے عوض بدلتی تھی رنگ
یکچند جو گذرے بے خور و خواب | زائل ہوئی اُسکی طاقت و تاب
صورت میں خیال رہ گئی وہ | ہیئت میں مثال رہ گئی وہ
آنے لگے بیٹھے بیٹھے چکر | فانوس[۵۳] خیال بن گیا گھر
پریاں وہ جو اُسکی پاسباں تھیں | دانا و عقیل و خوش بیاں تھیں
سمجھانے لگیں کہ مرتی ہے کیوں | ترک خور و خواب کرتی ہے کیوں
ثابت کچھ اثر ستارے کا ہے | اس چاند کو کیا گہن لگا ہے

۵۱ سایہ سی رہی۔ یعنے جیسے سایہ قدم پکڑے رہتا ہے ۱۲ ۵۲ چونکہ وہ اپنی زندگی سے بیزار تھی اس لئے کپڑے بدلنے کی اُسے سُدھ نہ تھی مگر کپڑوں کے بدلے رنگ بدلتی تھی۔ یعنے ایک رنگ آتا تھا اور ایک جاتا تھا اور ایسا اکثر حالت کرب و اضطراب میں ہوتا ہے ۱۲ آسی ۵۳ فانوس خیال شکار گاہ جس میں تصویریں گھومتی ہیں ۱۲

رحم اپنی جوانی پر ذرا کر — منھ دیکھ تو آئینہ منگا کر
صورت تری زار ہو گئی ہے — گل ہو کے تو خار ہو گئی ہے
ہے ہے تری عقل کس نے کھوئی — ناجنس کو چاہتا ہے کوئی
سُجھتی نہیں آگ ماہیِ تر — رہتا نہیں پانی میں سمندر[1]
مذکور نہیں ہے کچھ حسد کا — ساتھی نہیں کوئی کار بد کا
روشن ہے جو کچھ کیا ہے اندھیر — پھیر اپنی سمجھ کا ہے یہ پھیر
محبوس کیا ہے تجھ کو ہر چند — توبہ کا تو در نہیں کیا بند
بھولے سے بھی کر نہ یاد آدم — پھر گھر وہی تو وہی وہی ہم
اے شمع نہ سوچی گر بد و نیک — رشتہ کاٹے گا تجھ سے ہر ایک
سمجھانے سے تھا ہمیں سروکار — اب مان نہ مان تو ہے مختار
تو قید جفا میں ہے کہ ہم ہیں — تو دام بلا میں ہے کہ ہم ہیں
غم راہ نہیں کہ ساتھ دیجیے — دکھ بوجھ نہیں کہ بانٹ لیجے
جھنجھلائی بکاولی کہ بس بس — اب ایک کہو گی تم تو میں دس
رنجور جو ہوں تو میں تمھیں کیا — مجبور جو ہوں تو میں تمھیں کیا
مانا مری حالت اب ردی ہے — بہتر ہے وہی جو کچھ بدی[2] ہے
بلبل اُسی رشکِ گل کی ہوں میں — تم کیا ہو ہزار میں کہوں میں

۱؎ مچھلی آگ میں اور سمندر (کیڑا) پانی میں نہیں رہتا۔ یعنے ناجنس کے ساتھ صحبت بر آر نہیں ہوتی ۱۲ ۲؎ بدی کے لفظ میں صنعت ایہام کی صورت ہے۔ یعنی جس کو تم بدی سمجھی ہو وہ بات میرے نزدیک بہتر ہے۔ یا یہ کہ جو کچھ ہونا بدا ہے وہ ضرور ہو گا اور وہی اچھا ہے ۱۲ آسی۔

سوچیں وہ کہ یہ نہیں سمجھتی ‏ ہے بلکہ برنگ زلف الجھتی

مجنوں ہو اگر تو فصد لیجے ‏ سایہ ہو تو دوڑ دھوپ کیجے

کچھ روگ جو درپئے خلش ہو ‏ درماں کے لئے دوا دوش ہو

بیماری عشق لا دوا ہے ‏ اس باغ کی اَور ہی ہوا ہے

آخر یہ تو جی سے اپنے ہے تنگ ‏ ایسا نہ ہو لائے اور کچھ رنگ

یاد آئیں جو ابروانِ خم دار ‏ رہتے نہ کہیں گلے پہ تلوار

وہ سبزۂ خط جو یاد آئے ‏ جھنجھلا کے کہیں نہ زہر کھائے

کر یاد کہیں چہ ذقن کو ‏ کودے نہ کنوئیں میں باؤلی[۱] ہو

دیوانے کی مطلق العنانی ‏ ہے باعثِ مرگ ناگہانی

تدبیر کا جو صلہ نکالا ‏ زنجیر کا سلسلہ نکالا

بیڑی تھی رُخ جنوں کی کاکل ‏ پابوسی گل کو آیا سنبل

جب وحشت عشق ہو زیادہ ‏ زنجیر ہے پیش پا فتادہ

شوریدہ بکاولی غضب تھی ‏ زنجیروں میں بھی وہ بند کب تھی

بڑھتی جب دل کی بیقراری ‏ پڑھتی یہ غزل بہ آہ و زاری

غزل

عالم کا ترے جہاں بیاں ہے ‏ بیتابی دل جہاں[۲] جہاں ہے

[۱] کنوئیں کے ساتھ باولی کا ذکر صنعت مراعات النظیر بھی سمجھا جا سکتا ہے۔ اور ضلع جگت بھی کہا جا سکتا ہے۔ باولی ایک قسم کا بڑا کنواں ہوتا ہے جس میں سیڑھیاں بنی ہوتی ہیں ۱۲ [۲] جہاں جہاں بہت زیادہ ۱۲ آسی

زنجیرِ جنوں کڑی نہ پڑیو — دیوانے کا پانوں درمیاں ہے

ذرے کا بھی چمکے گا ستارہ — قائم جو زمین و آسماں ہے

جو داغ کہ مہر ہے فلک پر — دل میں مرے اب تلک نہاں ہے

کس سوچ میں ہو نسیم بولو — آنکھیں تو ملاؤ دل کہاں ہے

آنا تاج الملوک کا صحرائے طلسم سے رُوح افزا پری کے ساتھ فردوس میں

بہرِ گہرِ طلسم اخلاص — ہے بحرِ سخن میں خامہ غواص

وہ قطرۂ بارشِ جدائی — وہ غرقۂ بحرِ آشنائی

وہ پادشہ حباب افسر — یعنے تاج الملوک مضطر

بے مہری چرخ سے جو ناگاہ — گرداب[1] کے ہالے کا ہوا ماہ

جو ماہ سپہر برتری تھا — سو ماہی بحرِ ابتری تھا

بادل سا وہ بحرِ آسماں جوش — بجلی سا تھا لہر سے ہم آغوش

دریا تھا نہ بحر تھا نہ جیحوں — طوفانِ طلسم جوشِ افسوں

گرتے تو وہ پانی سر سے گذرا — اوبھرا تو نہ کچھ نظر سے گذرا

موجوں کی عوض تھی چینِ اماں — گرداب کے بدلے تھا گریباں

آگے جو بڑھا جزیرہ دیکھا — اشجار کا واں ذخیرہ[2] دیکھا

[illegible]

ف[1] یہ اس لئے کہا گیا کہ بکاؤلی کی ماں نے تاج الملوک کو دریائے طلسم میں ڈال دیا تھا ۱۲ ف[2] ذخیرہ انبوہ ہجوم۔ لیکن ذخیرہ اس جگہ کو بھی کہتے ہیں جہاں درختوں کی پود اور پنیر رکھتے ہیں ۱۲ آسی۔

جس پھل کو چھوا جو پھر کیا غور
ہاتھ آیا نہ کچھ حباب کے طور

جانا کہ طلسم کا ہے جنگل
ہے یاں کے درخت کا یہی پھل

اور آگے بڑھا وہ بحر اوہام
ڈوبا خورشید ہو گئی شام

ڈر جانوروں کا جی میں بیٹھا
اک نخل کہن پہ چڑھ کے بیٹھا

ناگاہ سنی صدائے پُر خوف
آیا اک اژدہا پئے طوف

صورت میں پہاڑ کی نشانی
سیرت میں بلائے ناگہانی

مُنھ کھول کے سانپ اک نکالا
اُس کالے نے من زمیں پہ ڈالا

لہرا لہرا کے ادس جاتی
بن میں کالوں نے رات کاٹی

جب صبح ہوئی تو مُنھ میں ڈالا
کالے نے من اژدہے نے کالا

وہ جا کے اُفق میں مہر چمکا
من افعیٔ شب کے مُنھ سے نکلا

سوچا وہ کہ دیکھے من کسی طور
دشمن کا تھا سامنا کیا غور

کچھ گائیں کلیلیں کر رہی تھیں
بن میں ہری دوب چر رہی تھیں

دودھ اُن کا دوہا پیا کہا لو
گوبر کے اُنھیں کے چھوت پھینکو

نکلا جو پھر آ کے شب کو اژدر
گلخن سے دھواں دھوئیں سے اخگر

گوبر پھینکا تو دب گیا من
بادل میں چھپا وہ ماہ روشن

بے روشنی اندھے ہو گئے وہ
من ڈھونڈتے آپ کھو گئے وہ

من لے گے جو اُس نے مہرہ مارا
شب کاٹ کے صبحدم سدھارا

دو مرغ تھے بیٹھے اک شجر پر
مادہ لگی پوچھنے کہ اے نر

میں تجربہ کر چکی جہاں کا
کھلتا نہیں کچھ طلسم یاں کا

مادہ سے یہ سن کے بول اُٹھا نر
ہے طرفہ طلسم اس جگہ پر

وہ پیڑ جو حوض پر لگا ہے
طوبے سے خواص میں سوا ہے

اک سانپ ہے واں یہ چوٹ کرتا
مارے سے نہیں کسی کے مرتا

لیکن جو یہ بندۂ خدا جائے
تا حوض قدم قدم چلا جائے

لپکے گا خود اُس کو دیکھ کر سانپ
منھ جا در آب میں یہ لے ڈھانپ

ابھرے گا لگا کے جب یہ غوطا
بن جائے گا آدمی سے طوطا

اندیشہ نہ اپنے دل میں لائے
اُڑ کر یہ اُسی شجر پہ جائے

سب خشک ہے ایک ہی ہری ڈال
دو رنگ کے پھل ہیں سبز اور لال

پہلے تو یہ لال پھل کو کھائے
انسان کا رنگ روپ پائے

پھر توڑ لے اُس کے سبز پھل کو
پھل کچھ اسے دے رہیگا کل کو

جس شخص کے پاس وہ ثمر ہو
ہتیار نہ اُس پہ کارگر ہو

لکڑی میں اثر یہ ہے کہ دشمن
بن جاتا ہے موم اگر ہو آہن

دو ہاتھوں میں لے جو کاندھے پر سے
اُڑتا پھرے جیسے مرغ پر سے

ٹوپی جو بنائے چھیل کر چھال
دکھلائی نہ دے نظر کی تمثال

پتے کی صفت بیان کیا ہو
دم بھر میں بھرے جراحتوں کو

منھ میں رہے گوند اُسکا جبتک
لگتی نہیں بھوک پیاس تب تک

تھا مُلہم[1] غیب مرغ گویا
سنتے ہی اُدھر چلا وہ جویا

کالے[2] نے جہاں سے کی سیاہی
وہ حوض میں تھا مثال ماہی

۱ فرشتۂ غیبی ۱۲ ۲ یعنے جیسے ہی کالا سانپ نکلا ۱۲ آسی

طوطا بن کر شجر پہ آ کر
پتے پھل گوند چھال لکڑی
ہاتھ آ جو گئی عصا کی تاثیر
اُڑتا ہوا واں سے دور جا کر
من ران کو چیر کر چھپایا
اک حوض پر آب و تاب دیکھا
غوطہ جو لگا کے سر اُٹھایا
دکھلائی بُرے دنوں نے شامت
حوض[۲] اُس کی ہوئی یہ دیکھتے ہی
سختی جو دکھاتا تھا مقدر
نامردی سے اپنی نعرہ زن ہو
آگے سے جوان ایک خوش قد
باہم زن و مرد نے کیا میل
بارے جو پڑی گھر اُس کے بے قید
جب جن کے نہانے کا دن آیا
اُبھرے تو نہ حوض تھا نہ وہ روپ
مردی نے جو پھر وجود پایا

پھل کھا کے بشر کا روپ پا کر
اُس پیڑ سے لے کے راہ پکڑی
پرّاں ہوا صورتِ عصافیر[۱]
ٹھہرا دم لینے اک جگہ پر
پیتے سے وہ زخم سب بھر آیا
سر چشمۂ آفتاب دیکھا
وہ حوض وہ آب کچھ نہ پایا
مردی کی رہی نہ کچھ علامت
فوارہ تو گم خزانہ باقی
چھاتی پہ دھرا کچوں[۳] سے پتھر
بیچاری چلی کسی طرف کو
آتا تھا دنوں کی جیسے آمد
دریا سے ملا وہ قطرہ زن سیل
اُمید[۴] سے رہ گئی وہ نومید
غوطہ کسی حوض میں لگایا
پانی کے عوض تھی دشت کی دھوپ
پستانوں کو بے نمود پایا

۱؎ عصافیر جمع عصفور چڑیا ۱۲ ۲؎ یہ بھی ایک محاورہ ہے جس کے معنے بہت زیادہ ڈرنے کے ہیں ۱۲ ۳؎ کچ بمعنی پستان ۱۲ آتی۔ ۴؎ اُمید حمل ۱۲

ترکش۱؎ پہ نگاہ کی تو تھا تیر — قبضے میں پھر آئی کھو کے شمشیر

گو شمع بنا چراغ دامن — روشن نہ ہوا وہ زنگ و روغن

تھا مردم دیدۂ طلسمات — خال رُخ و رنگ رُو مساوات

اک دیونی مردہ دل سی مبہوت — پستاں سے قد اُسکا نخل تابوت

زنبور سیاہ خال اُسکے — برگد کی جٹائیں بال اُسکے

گٹھا لئے سر پہ لکڑیوں کا — چلتی تھی سموم۲؎ کا سا جھونکا

شہزادہ کہ تھا کریہہ منظر — وہ روسیہ اُسکو سمجھی شوہر

گٹھا وہ دیا کہ بیچ لا جا — کیجو نہیں دیر جلد آ جا

حیرت زدہ شاہزادہ ناچار — راہی ہوا سر پہ رکھ کے انبار

جب بڑھ کے ہوا نظر سے اوجھل — ہلکا ہوا پھینک پھانک بوجھل

واں سے جو بڑھا تو ایک چشمہ — پُر آب تھا چشم منتظر سا

غوطہ جو لگا کے سر اُبھارا — پایا وہی رنگ و روپ سارا

کھویا ہوا مال ہاتھ آیا — بولا وہ کہ شکر ہے خدایا

خورشید مرا گہن سے چھوٹا — زنگ آئینۂ بدن سے چھوٹا

یارب یہی اب میں چاہتا ہوں — یہ چشمہ پھر آنکھ سے نہ دیکھوں

نادان ہو جو آبرو کو کھوئے — اُس پانی سے ہاتھ مُنہ کو دھوئے

یہ کہکر کاندھے رکھ کے لاٹھی — گھوڑوں پہ ہوا کے باندھی کاٹھی

کھانے کو شجر کا گوند تھا پاس — کیا دخل کہ بھوک لگتی یا پیاس

۱؎ ترکش تیر رکھنے کا آلہ - یعنے عورت سے پھر مرد ہو گئی ۱۲ ۲؎ آندھی - لُو ۱۲ آتشی -

دیکھا ناگاہ کوہ البرز — اک دیو سیاہ تھا لیے گرز
ٹوپی وہ جو سر پہ چھال کی تھی — عریانی میں پردہ حال کی تھی
اُس دیو کے آگے سے بڑھا وہ — سایہ سا پہاڑ پر چڑھا وہ
گریاں لبِ حوض اک پری تھی — فوارے کی طرح رو رہی تھی
پرجوش و خروش اُسے جو پایا — رُوپوش نے تاج سر اُٹھایا
دیکھا جو پری نے آدمی زاد — آہستہ کہا کہ خانہ برباد
رستہ ترا کھو گیا کہاں سے — کھا جائے گا دیو بھاگ یاں سے
بولا وہ بشر کہ دیو کیسا — ہم کو تو ملا نہ کوئی ایسا
بولی وہ پری کہ جا کہاں ان — سر پر ہیں ترے قضا کے سامان
بولا وہ کہ بیقراری کیا ہے — تم اپنی کہو ہماری کیا ہے
کیوں روتی ہو کسکی یاد میں ہو — کیا رنج ہے کس فساد میں ہو
بولی وہ حسیں کہ میں پری ہوں — اس دیو کے بس میں آگئی ہوں
فردوس کا بادشہ مظفر — روح افزا جسکی ہوں میں دختر
سردار کرور دیوؤں کا ہے — سلطان ارم مرا چچا ہے
اک دن میں چلی چچا کے گھر کو — ماندی تھی بکاولی خبر کو
رستے سے یہ دیو پھانس لایا — ابتک[1] تو خدا نے ہے بچایا
نام اس سے بکاولی کا سنکر — رونے جو لگا وہ سر کو دھنکر
پوچھا اُس نے کہ آدمی زاد — تو کیوں رو دیا کہا کہ فریاد

[1] یعنے میں ابتک زندہ ہوں۔ یا ابتک بدستور عفیفہ اور دوشیزہ ہوں ۱۲ آسی

واں خرمن عیش پر پڑی برق
یاں فسوں ہیں میں ہوا غرق

دہاں پھانس چبھی ہے اسکو غم کی
یاں سانس نہیں ہے ایکدم کی

بولی وہ کہ چھوٹتے اگر ہم
رکھتے ترے زخم دل پہ مرہم

بولا وہ کہ چل کہا کہ ناداں
وہ دیو کہاں کہاں تو انساں

دیووں سے بھی لڑ سکا ہے کوئی
سایے کو پکڑ سکا ہے کوئی

بولا وہ کہ جی بجھا[۵۱] نہ جانی
دیو آگ تو آدمی ہے پانی

ہر چند کہ انس و جاں میں ہے لاگ
دب جاتی ہے مشت خاک سے آگ

بولی وہ کہ سن تو آدمی زاد
وہ دیو ہے تیری کیا ہے بنیاد

تجھ پاس تو اک عصا ہے جانی
لاٹھی سے جدا نہ ہوگا پانی

بولا وہ کہ یہ جو لٹھ مرا ہے
موسیٰ[۵۲] کا عصا ہے اژدہا ہے

یہ کہہ کے جتائے جوہر اپنے
سامان دکھائے یکسر اپنے

ٹوپی جو اتار لی تھی سر سے
پھر رکھ کے نہاں ہوا نظر سے

لٹھ کاندھے پہ رکھ ہوا پہ جا کر
ظاہر ہوا ٹوپی کو اٹھا کر

یہ شعبدہ دیکھ کر پری نے
اڑ چلنے کے پائے کچھ قرینے

تسکیں جو ہوئی پری کے جی کو
وہ آدمی لے اڑا پری کو

---

۵۱ جی بجھا یعنے اپنے دل کو رنجیدہ نہ کر ۱۲ ۵۲ عصائے موسیٰ - موسیٰ علیہ السلام کا ایک یہ بھی معجزہ تھا کہ جب اپنے عصا کو آپ زمین میں ڈالتے تو وہ اژدہا بنجاتا تھا یہی عصا تھا جس نے فرعون کے دربار کے ساحروں کے بنائے ہوئے سانپوں کو نگل لیا تھا یہی عصا تھا جسے آپ نے جب دریائے نیل پر مارا تو بارہ راستے بن گئے تھے - یہی عصا تھا کہ آپ نے اس سے عوج بن عنق کو مارا تھا ۱۲ آسی -

وہ دیو پری کو اُڑتے پاکر
اُچکا تو ملا ہوا پہ جا کر

شہزادے نے اپنے سر کی ٹوپی
جلدی سے پری کے سر پہ رکھدی

بدلی میں چھپی وہ ماہ روشن
بجلی سے عیاں ہوا یہ پرفن

وہ دیو کہ تھا پری پہ لپکا
حیرت زدہ آدمی پہ لپکا

شہزادہ کہ لٹھ سے برق دم تھا
بادل سا ہوا کا ہم قدم تھا

دیکھا جو نہ دیو نے گذارا
پتھر اک اُٹھا کے پھینک مارا

وہ سنگ گراں جو حربۂ غول
تاثیر سے پھل کی بن گیا پھول

لٹھ اُسکا پڑا تو وہ ہوا چور
جس طرح عصا سے جام بلور

غل کرکے زمین پر گرا دیو
موجود ہوئے ہزارہا دیو

بادل کی طرح جو اُنڈے دشمن
لاٹھی سے ہوا وہ برق خرمن

موسیٰ کا عصا تھا لٹھ جواں کا
ایک[1] ہی لاٹھی سے سب کو ہانکا

سرمہ کیا کوہ پیکروں کا
جی چھوٹ گیا دلاوروں کا

ٹوپی کو اُتار کر پری نے
چومے قدم بشر پری نے

شہزادے نے تاج سر پہ رکھا
لٹھ کاندھے پہ دل سفر پہ رکھا

فردوس میں جاکے صورت حور
ماں باپ سے آملی وہ مہجور

دیوؤں کی وہ سرکشی سنائی
انساں کی وہ مردمی جتائی

سُن سُن کے اُڑے حواس اُنکے
لائے نہ یقیں قیاس اُنکے

پوچھا کہ وہ ہے کہاں کہ ہاں ہے
پوچھا کہ کہاں کہا کہ یہاں ہے

[1] ایک ہی لاٹھی سے سب کو ہانکنا۔ سب سے ایک سا سلوک کرنا ۱۲ آسی

یہ سنتے ہی اُس نے تاج اُٹھایا / حیرانوں کو شعبدہ دکھایا

بال اُس کے وُبال سے بڑھے تھے / ناخن بھی ہلال سے بڑھے تھے

تن خاکی تھا جان آتشیں تھی / عریانی[1] قبائے پوستیں تھی

صورت سے فقیر تھا بروگی / کی آؤ بھگت[2] سمجھ کے جوگی

حسن آرا اس پری کی مادر / باپ اُس کا بادشہ مظفر

قدموں پہ گری کہا ادب سے / حرمت رہی آپکے سبب سے

بولا وہ خدا خدا کرو واہ / ہے جملہ جہاں کا مالک اللہ

قادر وہی کبریا وہی ہے / آخر وہی ابتدا وہی ہے

بولی وہ کہ حق ہے جو ہے فرمان / تم وقت کے اپنے ہو سلیمان

کھولو کمر اور لطف فرماؤ / شربت پیو میوہ ہاتے رکھاؤ

بولا وہ کہ اشتہا کسے ہے / کھانے کا مزا رہا کسے ہے

سیاح کو کیا قیام سے کار / شبنم نہیں جاگزیں گلزار

درویش رواں رہے تو بہتر / آب دریا بہے تو بہتر

روح افزا بول اٹھی اجی واہ / ہم جانے نہ دینگے تم کو واللہ

آرام کرو گرم کرو آؤ / ہم رام ہوئے نہ رم کرو آؤ

مجمع سے الگ مکان میں لائی / آرام کی جا قرار پائی

اصحاب نیاز کھانے لائے / ارباب نشاط گانے آئے

---

۱ یعنے اُس کے جسم کی عریانی اُسکے لئے قبائے پوستین بنی ہوئی تھی ۱۲ ۲ آؤ بھگت کرنا خاطر تواضع کرنا ۱۲ آسی۔

تھا اپنے ہی سوچ میں وہ سنسان — دھن آگ کی تھی نہ رنگ کا دھیان

بے وقت وہ راگ خوش نہ آیا — بے فصل وہ پھاگ خوش نہ آیا

آنا بکاولی کا روح افزا کی خبر کو جمیلہ کے ساتھ اور تاج الملوک سے مل کر جانا سات دن بعد

بچھڑوں کے جو ملنے کا بیاں ہے — یوں خامہ خوشی سے تر زباں ہے

روح افزا کو جو کھو کے پایا — مژدہ شاہ ارم تک آیا

جانا تھا یگانگی میں لازم — چلنے کو ہوئی جمیلہ عازم

وہ ساکن خانۂ سلاسل — یعنے وہ بکاولی بے دل

کہتی تھی کہ پیچ سے نکلتی — خواہاں یہ ہوئی کہ میں بھی چلتی

سُن کے قیدی کی زار نالی — زنجیر کے پیچ سے نکالی

تخت اُنکی سواریوں کے آئے — اُڑتے وہ ہوا کے جھونکے آئے

بانوئے شہِ ارم جمیلہ — دخت اسکی بکاولی عقیلہ

روح افزا سے ہوئیں بغلگیر — صورت پوچھی کہا کہ تقدیر

کہہ سُن کے مبارک و سلامت — بیٹھ اُٹھ کے ہوئی جمیلہ رخصت

روح افزا نے کہا چچی جان — تم جاؤ رہیں بکاولی یاں

خاطر سے کہا کہ خیر لیکن — لیجاؤں گی خود میں ساتویں دن

یہ کہہ کے وہ وحشت مجسم — آہو سی ارم کو کرگئی رم

روح افزا نے کہا بہن سے — بہتر کوئی جا نہیں چمن سے

گلگشت کریں چلو کہا خیر — کیا جانے کہ ہو گی سیر میں سیر

چل پھر کے ہنسی ہنسی میں پوچھا — کھونا ملنا بہن یہ کیا تھا

روح افزا نے کہا کہ ہمشیر — میں نے یہ سُنا کہ تو ہے دلگیر

واللہ کہ چھان کر خدائی — تیرے پیارے کو ڈھونڈھ لائی

سمجھی وہ ہنسی کہا سڑن ہو — نادان ہو گیا کہوں بہن ہو

ہم کو یہ ہنسی نہیں گوارا — پیارا ہووے گا وہ تمھارا

پیارا جو نہ تھا تو کھو گئیں کیوں — بد راہ بھی آپ ہو گئیں کیوں

بولی وہ کہ آشنا تمھارا — پیارا نہیں پیاری کا ہے پیارا

گر اسکی تلاش میں ہیں کھوئی — بد راہ نہ کہہ سکے گا کوئی

جو چاہو کہو جواب کیا دوں — قائل نہیں ہوتی ہو دکھا دوں

وہ جوگی وہ دھونی اور وہ آسن — دکھلایا تو تھی اسی کی جوگن

دیکھا تو دکھا رہی ہے تقدیر — کوشش کا اثر کشش کی تاثیر

روح افزا اُن کے بیچ میں واں — قالب تھی میان جان و جاناں

دونوں کا بدل تھا وصل منظور — مانند حجاب ہو گئی دور

وہ غرقۂ بحر ظلم و بیداد — دریا رو یا سُنا کے اُفتاد

خاطر کی کدورتیں عیاں کیں — چشموں کی وہ صورتیں بیاں کیں

رو رو کے بکاولی دل افگار — بولی کہ خدا کو علم ہے یار

پھرتا تھا تو چشم و دل میں میرے — دیدے مرے نقش پا تھے تیرے

مشکل مجھے اپنا تھامنا تھا — ہر وقت قضا کا سامنا تھا

ہمچشم پھرے تھے مثل مژگاں
ہم سایہ تھے سب کشیدہ داماں

گھر میں رہنا گراں تھا میرا
زنجیر کا گھر مکاں تھا میرا

جو کہہ کے سخن پکارتا تھا
پتھر سا کھینچ مارتا تھا

سختی سہی یا کڑی اُٹھائی
اُفتاد تھی جو پڑی اُٹھائی

طالع سے کسے تھی ایسی اُمید
نکلا ہے کدھر سے آج خورشید

کیوں مُنھ پہ شفق خوشی سے پھولی
کیا شام وصال راہ بھولی

یہ کہہ کے ملے بہم وہ ایسے
صفحے خطِ[1] تواماں کے جیسے

اک جان دو تن تھی سرو بالا
صحبت کا مزا ہوا دوبالا

دربان سی تھی در پہ روح افزا
تھا پیش نظر حیا کا پردا

جب بیٹھے ہوس نکال کے وہ
وارد ہوئی دیکھ بھال کے وہ

بول اٹھی بکاولی کہ واری
محرم کا ہے کام پردہ داری

وہ بولی مجھے تو کچھ نہ آیا
تم نے مگر اب تو ہے سکھایا

کیا جانیں ابھی بدا ہے کیا کیا
اس عمر میں سیکھنا ہے کیا کیا

بارے وہ مہ دو ہفتہ باہم
یک ہفتہ رہے انیس و ہمدم

سمجھے ہفتے[2] کی میہمانی
ہر ہفت عروس شادمانی

وعدے پہ جمیلہ ساتویں دن
آئی تو تھا حیلہ غیر ممکن

ساتھ اُسکے رواں ہوئی وہ گلرو
ہوش اُس کے رواں ہوے گئے تو

[1] خطِ تواماں وہ خط ہے کہ دو ورق لکھتے ہیں اور دونوں کو جب ملاتے ہیں تو وہ پڑھا جاتا ہے ۱۲ [2] یعنی یہ ہفتہ بھر کی مہمانی عروس شادمانی کی زیب و زینت تھی ۱۲ آسی۔

چاہا کہ وہ تاج رکھ کے سر پر — رہئے رو پوش ساتھ چلکر
دامن کو پکڑ کے روح افزا — بولی کہ کدھر کیا ارادا
الفت کے بہت نہ جوش میں آؤ — کچھ خیر ہے تم کو ہوش میں آؤ
نافہمی سے خوار ہو چکے ہو — ابتو سیکھو کہ کھو چکے ہو
کار مشاطہ خود نہ کیجے — انگارے کو ہاتھ سے نہ لیجے
جلدی تمھیں کیا ضرور دم لو — بیدل نہ ہو قول تو قسم لو
گھبراؤ نہ پاکے نامرادی — غم کھاؤ جو چاہتے ہو شادی
سوچا تو نہ تھا صلاح الجھنا — دانائی تھی بات کا سمجھنا

پیغام لیجانا حسن آرا کا بکاولی کی شادی کیواسطے

بیدل نے جگہ جو جی میں پائی — یوں خامے نے کی زباں کشائی
وہ شکر گذار روح افزا — ماں سے بولی کہ حسن آرا
واجب ہر ادائے حق مہماں — احسان کا عوض نہیں جز احساں
حسن آرا نے کہا کہ بہتر — جو اپنے سے ہو نہیں میں باہر
بولی وہ کہ یہ فقیر جوگی — ہے عشق بکاولی کا روگی
ہیں اسکے سبب بچی ہوں جی سے — یہ میرے سبب ملے پری سے
راز اُن کا کیا جو آشکارا — راضی ہوئی سنکے حسن آرا
بلوا کے مصور اک کہن سال — کھچوائی اُس آدمی کی تمثال
وہ صورت حال ارم میں لائی — خلوت میں جمیلہ پاس آئی

چھیڑا کہ ہو مہ سے عقد پروین — پیوند نہال گل ہو نسرین
واجب نہیں اب تامل ایسا — بھرپے وہیں تک نہ چھلکے جیسا
بولی وہ جمیلہ کیا بتاؤں — تو اپنی ہے تجھ سے کیا چھپاؤں
سودا ہے مری بکاولی کو — ہے چاہ بشر کی باولی کو
مشہور ہے ضد انس و جانی — یکجا نہیں رہتے آگ پانی
حسن آرا نے کہا جمیلہ — مجھ کو یہ نہیں پسند حیلہ
کاوش تری بے ثبات ہے یہ — سو بات کی ایک بات ہے یہ
دو دل جو ہوں چاہنے پہ راضی — یہ جان لے کیا کرے گا قاضی
بولی وہ جمیلہ ہوش میں آؤ — جا کر کسی اور کو یہ سمجھاؤ
تجویز کی آپ کے میں قرباں — لے جائے مری پری کو انساں
حسن آرا نے کہا کہ خاموش — شعلہ کو کیا ہے کس نے خس پوش
اسباب نہ جمع کر ضرر کے — رکھ پنبہ نہ داغ پر شرر کے
بولی وہ جمیلہ پھر کروں کیا — وہ بولی نہ سمجھی کہتی ہوں کیا
جب دل ہی پری کا آگیا ہے — انسان ہے تو کیا مضائقہ ہے
انسان ہی تھے حضرت سلیماں — انسان ہی تھے مسیح دوراں
یہ قطرۂ بحر کبریائی — دریا ہے جو ہوئے آشنائی
کیا شکوہ[1] اگر پری نہ سمجھے — افسوس جو آدمی نہ سمجھے

۱؎ یعنی اس سے پہلے شعر میں جو کہا گیا کہ انسان اگرچہ ایک قطرۂ ناچیز ہے مگر یہی قطرہ اگر بحر عشق الٰہی میں غرق ہو تو بہت بڑی چیز ہے۔ اور یہ دریا کی مانند۔ اگر اس رمز کو پری نہ سمجھے تو نہ سمجھے۔ مگر آدمی نہ سمجھے تو بڑا افسوس ہے ۱۲ آسی۔

دم دھاگے میں رشتۂ نفس کے — پھندے میں پھنسا ہے پیش و پس کے

بیاہ ہونا بکاولی کا تاج الملوک کے ساتھ اور رہنا ارم میں

شادی کے لئے ہے کلکِ شنجرف — انگشتِ[۱] قبول دیدۂ حرف

حسن آرا تھی جو نیک تدبیر — دکھلائی جمیلہ کو وہ تصویر

پہچان کے خال و خط سے انداز — وہ چپ جو رہی تو یہ سخن ساز

بولی کھو گیوں کہا کہ مانا — پرکھوئے ہوئے کا کیا ٹھکانا

وہ بولی کہ اس سے تجھ کو کیا ہے — ہم نے تو سمجھ کے کچھ کیا ہے

ٹھہری یہ غرض کہ آچکی رات — فیروز شہ آگے چھیڑیے بات

جب سونے کو وہ محل میں آیا — افسانۂ عشق اُسے سُنایا

یاد اُس نے کیا بکاولی کو — لے آئے اُڑا کے اُس پری کو

تصویر بشر دکھائی اس کو — شادی کی خبر سُنائی اُس کو

دیکھا تو نہ فرق تھا سرِ مو — جانچے خط و خال و چشم و ابرو

نقشے سے وہی نگار پایا — قسمت کا لکھا سا آگے آیا

کہنے لگی دل میں یا الٰہی — شر ہو نہ کہیں یہ خیر خواہی

[۱] یعنی قلم شنجرف دیدۂ حرف کے واسطے انگشت قبول بنا ہوا ہے۔ چونکہ اس داستان میں بکاولی کی ماں کی تجویز شادی کو قبول کرنے کا ذکر ہے اسواسطے ایسا لکھا۔ بسر و چشم قبول کرنا ایک محاورۂ قدیم ہے ۱۲ آسی۔

پیارے سے نہ ہو خلاف وعدا
کیا سوچتی ہوں نصیب اعدا

دیکھا تو وہ بھیدی حسن آرا
کرتی تھی اسی کے رُخ نظارا

روح افزا کا جو آگیا دھیان
تسکیں ہوئی آئی جان میں جان

جانا کہ بہار فصل سے ہے
یہ نقل مطابق اصل سے ہے

اقرار میں تھی جو بے حیائی
شرمائی لجائی مسکرائی

حسن آرا نے کہا مبارک
ایجاب اُس نے کیا مبارک

سج دھج یہ بنی اُدھر بنائے
بن ٹھن کے بنا اُدھر سے آئے

سیّارہ شناس کو بلایا
ساعت ٹھہرائی دن دکھایا

شادی کی خبر سے خوش خوش آئی
مشتاق کو خوش خبر سُنائی

راتوں کو جو گنتے تھے ستارے
دن گننے لگے خوشی کے مارے

واں مہندی نے چومے پائے خورشید
یاں سبز ہوا نہال اُمید

وہ واں پہ گلاب سے نہائی
یاں تازگی آبرو نے پائی

واں غازے سے رُخ شفق میں خورشید
یاں جم گیا مُنھ پہ رنگ اُمید

افشاں ہوئی واں ستارہ افشاں
یاں جیغہ[۱] سے روشنی دوچنداں

واں مانگ سے رنگِ کہکشاں ماند
یاں شملۂ سر سے ہالے میں چاند

واں زلف نے کھائے پیچ پر پیچ
طرہ کلغی پہ یاں تھا سرپیچ

آنچل ہوئے واں نقابِ عارض
سہرا ہوا یاں حجابِ عارض

۱ جیغہ ۔ کلغی ۱۲ عبدالباری آسی۔

زیبا ہوا واں بدن پہ گہنا | یاں جامۂ وفا کا اُسنے پہنا

محرم کے کسے گئے اُدھر بند | ہمت کا بندھا اِدھر کمربند

واں گل سے بہار بوستاں تھی | آرایش تخت گل یہاں تھی

الماس کے واں تھے جھاڑ فانوس | یاں جلوہ فروش تخت طاؤس

مہتاب سے چاندنی کا واں فرش | یاں[۱] چرخی سے چرخ میں سرِ عرش

واں جلوے حنائی انگلیوں کے | یاں روشنی کے تھے پنج شاخے

بادل سے وہ واں گرج رہے تھے | یاں دھوم سے باجے بج رہے تھے

واں پریوں میں ذکر آدمی زاد | نوشہ کے جلو میں یاں پریزاد

گلگوں تھا کسی کا باد رفتار | گلرنگ کسی کا تھا ہوادار

ہاتھی تھے تو مستیوں کی دھت تھی | گھوڑے تھے تو چابکی کی لت تھی

وہ ماہ کہ تھا سوار شبدیز | تھا پا بہ رکاب شوق مہمیز

در تک جو برات اُدھر سے آئی | کی سب نے ادھر سے پیشوائی

فیروز و مظفر ایسے دو شاہ | پُر نور تھے جیسے مہر اور ماہ

یاران گلاب و بارشِ گل | ہو کر بڑھے آگے با تجمل

سلطان فیروز رشک جم تھا | نوشہ مسند پہ جم کے بیٹھا

ہریالے بنے کا شور و غل تھا | سنبل کا چنور تو چتر گل تھا

گل سے خوانوں میں زر و لایا | اُن غنچہ دہانوں کو کھلایا

خورشید سا آفتابہ لائے | منہ ہاتھ ہر ایک کے دھلائے

قلیان پئے مشکبو دھواں دھار | بیڑے پے چکھے پان کے مزیدار

۱؎ چرخی ایک آتشبازی کا نام ہے یعنے چرخی کو دیکھ کر عرش کا سر چکرا رہا تھا ۱۲ عبد الباری۔

جب عقد کے اُنکی ساعت آئی — دو رشتوں میں اک گرہ لگائی
یکجا کیئے وہ عروس و داماد — وہ جان پری یہ آدمی زاد
حیرت[۵۱] نے آئینہ دکھایا — شربت دیدار نے پلایا
زلفیں ہوئیں چہرے کی بلا چیں — ٹونا وہ نگاہیں سحر آگیں
جو چہرۂ آتشیں پہ تل تھا — اسپند[۵۲] نگاہ بد بدل تھا
جوڑی جو ملی بنے بنی کی — سنگت ہوئی راگ راگنی کی
جو گائنیں تھیں سُہانے[۵۳] گائیں — لیتے ہوئے نیک راگ لائیں
حق پا کے جو رکھتی تھیں قدامت — بول اُٹھیں مبارک و سلامت
پیارا تھا بنے بنی کا جوڑا — خلوت میں دولھا دولھن کو چھوڑا
پریاں کہ ہزار یا بھری تھیں — ارمان سے سب وہاں سے نکلیں
بے پردگی ہوتی تھی جو اُن میں — دروازوں نے بند کر لی آنکھیں
طومار حجاب کو کیا طے — ساغر پہ جھکا وہ شیشۂ مے
مستانہ ملا دولھن سے نوشاہ — صحبت ہوئی دختِ رز سے دلخواہ
مست آنکھیں تھیں رشک جام سرشار — لبریز ہوئی شراب دیدار
گردن بھی صراحیٔ مے ناب — ہاتھ آئی وہ بھر مستئی خواب

۵۱ حیرت نے آئینہ دکھانے کی رسم ادا کی جیسا کہ دلھن کا منھ آئینے میں دولھا کو دکھایا جاتا ہے اور رسم کو شاید جلوہ کہتے ہیں یہ رسم رخصت کے روز دلھن کے یہاں ادا ہوتی اور اسی کو آرسی مصحف دکھانا کہتے ہیں۔ اسی طرح نکاح کے وقت حاضرین بارات کو شربت بھی پلاتے ہیں ۱۲ ۵۲ اسپند کالا دانہ جو دفع نظر بد کے لئے جلاتے ہیں ۱۲ ۵۳ ایک قسم کا شادی کا گیت ۱۲ آسی

جب اوڑھی عروسِ مہ نے چادر — نکلا پردے سے مہرِ خاور
ثابت جو شب کو تھے ستارے — خورشید نکلتے ہی سدھارے
یعنے دولھا دولھن سحر گاہ — نکلے آرام گہ سے دلخواہ
منہ گھر کو براتیوں نے موڑا — محفوظ دولھا دولھن کو چھوڑا
وہ حوضِ گلاب میں نہایا — یاں رُخ پہ عرق گلاب پایا
واں جوڑا چست و تنگ بدلا — یاں جوڑے کے مُنھ کا رنگ بدلا
وہ راگ کا دیکھنے لگا رنگ — یاں پردے میں چھیڑ تھی خوش آہنگ

رخصت ہونا تاج الملوک کا بکاولی کو لیکر اور آنا گلشن نگارین میں

غربت سے جواب سرِ وطن ہے — کلک و زباں یہ حرف زن ہے
شادی ہو کر وہ خانہ آباد — سوچا کہ بنا میں خانہ دامادِ[ل]
غربت میں وطن کی دُھن سمائی — اُس فیل کو یاد ہند آئی
غایت میں ہوا پری سے گویا — دنیا میں ہیں سب وطن کے جویا
پانی تہ خاک کو رواں ہے — لو شعلہ کی سوئے آسماں ہے
عزمِ سفرِ وطن سمجھ کر — بولی وہ بکاولی کہ بہتر
چلیے گا تو ساتھ ہیں بلا عذر — رہیئے گا تو بندگی میں کیا عذر
ہاتھ اُسکا پکڑ کے باہر آئی — ماں باپ کے پاس دختر آئی

[ل] خانہ داماد - گھر داماد - جو سسرال ہی میں رہے ۱۲ آسی

ہوتے ہی دو چار خویش و دختر
دو سے ہوئے چار اس جگہ پر

وہ تینوں تھے قوم کے پریزاد
چوتھا اُن میں یہ آدمی زاد

چومی اس نے زمین خدمت
غربت سے وطن کی چاہی رخصت

فیروز شہ و جمیلہ بانو
دونوں ہوئے سُن کے سر بزانو

غوطے[1] میں جو آ گئے وہ یکسر
بولی ماں باپ سے وہ دختر

پردیسیوں سے جو کی ہے نسبت
اب کیجے ہنسی خوشی سے رخصت

دعوے نہیں کچھ دئے ہوئے پر
قائم رہیئے کئے ہوئے پر

لازم جو ہو اُس میں کد نہ کیجے
سائل کا سوال رد نہ کیجے

بولی وہ کہ بخت تھا زبردست
خورشید کو ذرّے نے کیا پست

انساں سے جھکی پری کی گردن
کانٹے سے رکا ہوا کا دامن

یہ کہہ کے منگائے دو ہوا دار
سو دیو بلائے باد رفتار

ہو کر دیوؤں کے زینت دوش
رخصت وہ اُدھر ہوا ادھر ہوش

اشکوں سے شگوں لیا نرالا
آئینۂ[2] رُخ پہ پانی ڈالا

سونیا مختار کو جو مجبور
گھر پاس تھا اور وہ منزلوں دور

آئے تو وہ باغ سحر بنیاد
تھا آب و ہوائے خوش سے آباد

خیل و خدم اسکے منتظر تھے
مانند حواس منتشر تھے

پہچان کے سب نے غل مچایا
آیا تاج الملوک آیا

[1] غوطے میں آجانا۔ متحیر اور پریشان ہوجانا ۱۲ [2] کسی کو رخصت کرتے وقت شگون نیک سمجھ کر آئینے پر پانی ڈالتے ہیں ۱۲ آسی۔

داخل جو ہوے محل کے اندر — محمودا لپکی دوڑی دلبر
پوچھا خوش خوش کہا کہ دم لو — دیکھو یہ کون ہیں قدم لو
دلبر یہ وہی بکاولی ہے — محمودا دیکھ کیا پری ہے
سبحان اللہ کہہ کے دلبر — بولی کہ یہ گھر ہوا منوّر
محمودا نے کہا مبارک — خوشنودی آشنا مبارک
ان مختصروں نے جب دیا طول — بولی وہ بکاولی کہ معقول
یہ سمجھو تو کچھ نہیں ہے تکرار — خوش پوش ہی ایک جوڑے و چار
درجے درجے رہیں وہ ذی ہوش — ہمخانہ و ہمدم و ہم آغوش

طلب ہونا بکاولی کا راجہ اندر کی محفل میں اور آگاہ ہو کر ہمراہ جانا تاج الملوک کا

تقدیر سے ہیں جو شادی و رنج — اب یوں سنئے خامہ ہے نواسنج
ازبس کہ یہ چرخ فتنہ انگیز — ہے خرمن عیش پر شرر ریز
یکچند وہ مہ تھی کاہشوں میں — گذری اک عمر خواہشوں میں
تقدیر سے جب مراد پائی — راجہ اندر کو یاد آئی
اندراسن امر نگر ہے شہر ایک — خلقت ہے وہاں کی زندہ دل نیک
اندر ہے بادشاہ اسکا — آسن ہے تخت گاہ اسکا
مصئون وہ قضا سے اسقدر ہے — اس بستی کا نام امر نگر ہے
یزدانیوں کا ہے مسکن اسمیں — روحانیوں کا نشیمن اس میں

کہتے ہیں مورخانِ ہندی
راجہ کہ کمال پارسا ہے
خالق نے دیا ہے فوق اُسکو
انساں کا سُرود و رقص کیا ہے
باری باری سے جو پری ہو
لیکن جو بکاولی دل افگار
اک شب راجہ تھا محفل آرا
پوچھا پریوں سے کچھ خبر ہے
منھ پھیر کے ایک مسکرائی
چتون کو ملا کے رہ گئی ایک
بولا وہ کہ چپ ہو کیوں سبب کیا
ناتا پریوں سے اُسنے توڑا
وہ سُن کے خفا ہوا کہا جاؤ
پریاں اُڑیں اوپر آئیں
دیکھا تو وہ دونوں کرتے تھے خواب
ہم بسترِ آدمی پری تھی

آباد ہوا پہ ہے وہ بستی
مقبول جناب کبریا ہے
نغمے سے ہے ذوق شوق اُسکو
پریوں کا ناچ دیکھتا ہے
راجہ اندر کی محرئی ہے
باری پہ پہونچ سکی نہ بیمار
یاد آئی بکاولی دل آرا
شہزادی بکاولی کدھر ہے
آنکھ ایک نے ایک کو دکھائی
ہونٹوں کو ہلا کے رہ گئی ایک
بولیں وہ کہ کہیے بے ادب کیا
رشتہ اک آدمی سے جوڑا
جس طرح سے بیٹھی ہو اُٹھا لاؤ
مہتابی[1] پہ مثلِ ابر چھائیں
گل تکیے[2] تھے آفتاب و مہتاب
سایہ کے بغل میں چاندنی تھی

[1] مہتابی۔ ایک مخصوص جگہ جو چبوترے کی سی شکل میں چھت یا حوض کے کنارے پر چاندنی کی سیر کے لئے عالیشان مکانوں یا باغوں وغیرہ میں بنا دیتے ہیں ۱۲ [2] گل تکیہ۔ وہ تکیہ جو رخسار کے نیچے رکھتے ہیں ۱۲ آسی۔

غافل جو مؤکلوں نے پایا
اُس نقشِ مراد کو جگایا

جاگی تو سب اُسکے جوڑ کی تھیں
اندر کے اکھاڑے کی پری تھیں

بولیں کہ طلب کیا ہے چلئے
جوڑا یہ خراب ہے بدلئے

اُٹھی اُسے جی کی طرح چھوڑا
بدلا مانندِ رنگ جوڑا

ساتھ اُن کے وہ تا بہ محفل آئی
لرزاں لرزاں مقابل آئی

راجہ نے نگاہ کی غضب سے
پوچھا کہ یہ بے حیائی کب سے

بو آتی ہے آدمی کی لیجاؤ
ناپاک ہے آگ اسے دکھلاؤ

شعلہ سا پری کا جسم کانپا
منہ دامنِ اشک تر سے ڈھانپا

پریوں نے کشاں کشاں نکالا
صندل آتشکدے میں ڈالا

کافور سی جل اُٹھی سراپا
ٹھنڈی ہوئیں تھا جنہیں جلایا

جو آتشِ گل نہ لے چمن سے
جھونکا اُسے آگ میں جلن سے

جس رُخ پہ تھی کاکلِ معنبر
تھا چشمِ زدن میں دود اخگر

جس جسم پہ تھی نفیس پوشاک
شعلے کے سوا نہ کچھ تھا خاشاک

عیسیٰ نفس ایک خضر آئی
چھینٹے سے جلی ہوئی جلائی

شعلہ سے زیادہ پاکداماں
آ کر ہوئی انجمن میں رقصاں

ناچی گائی غریب ناچار
اغیار ادا سے کر لئے یار

برخاست کا وقت صبحدم تھا
راجہ وہ کہ صاحبِ کرم تھا

بولا جا یوں ہی آئیو روز
جل بجھ کے سدا سُنائیو سوز

رخصت پاتے ہی وہ ہوائی
پرّاں پرّاں ہوا سی آئی

پشواز کنار حوض اتاری
شب کی پوشاک پہنی ساری

بیتاب آرام گہ تک آئی
ہمخواب کی آنکھ بند پائی

یوں سیج پہ آکے سوئی بیتاب
جس شکل سے آئے آنکھ میں خواب

وہ آہوئے مست خواب خرگوش
یعنے تاج الملوک بیہوش

اُس شب کو بغل میں آکے جاگا
پر دوسری شب وہ جاگے جاگا

دیکھا تو وہ متصل نہیں ہے
پہلو میں جگر کے دل نہیں ہے

حاجت کے گماں سے جب ہوئی دیر
جھنجھلا کے پلنگ سے اُٹھا شیر

دائیں دیکھا نظر نہ آئی
بائیں دیکھا کہیں نہ پائی

عورت تھی گمان بد سے کھٹکا
جانا کہیں دل کسی سے اٹکا

اژدر نظر آیا در کا سایہ
سمجھا وہ پلنگ چار پایہ

آنکھوں میں جو چھا گیا اندھیرا
دل مارتے ہوگیا سویرا

جاگا تو پری بغل میں پائی
وہ نقش وفا عمل میں پائی

دانستہ خبر ہوا نہ بیتاب
گویا کہ وہ شب کا حال تھا خواب

جب مہر فلک گیا لب بام
مہتابی پہ آیا مہ سر شام

معمول سے بزم میں ہوئے جمع
مینا و کباب و مجمر و شمع

جام اُس نے بھرا کہا پیالے
دل اسکا بھرا تھا جام گیا لے

ٹھانی تھی کہ آج رہ کے بیدار
دیکھوں جاتی کہاں ہے عیّار

بولا کہ ہیں درد سر کے کچھ طور
میں آج نہ ہونگا شامل دور

ہٹ اُسنے جو کی تو ہاتھ مارا
شیشہ ہوا چور چور سارا

ہوتی ہے جو نوکِ شیشہ نشتر
بیداریِ شب کی گھات پائی
کف میں نمکیں کباب لے کر
بند آنکھیں کئے ہوئے شکرلب
پریوں نے ہوا سے تخت اتارا
سوتا اسے جا نگر اٹھی وہ
اُس تخت کا یہ پکڑ کے پایہ
بن ٹھن کے جب آئی رشکِ ناہید
جاتے ہی زمیں سے آسماں پر
لوگوں سے بھرا وہ دائرہ تھا
ٹھیکے پہ پہونچ کے تخت ٹھہرا
آتشکدہ پریوں نے بنا کر
شہزادہ کہ زیرِ تخت زرکار
فریاد نہ کرنے پایا مضطر
راجہ جس رُخ تھا محفل آرا
ہمراہ چلا وہ چھوڑ پایہ
محفل میں جو آئی شمعِ محفل
جو گاتی تھیں بیٹھیں مثلِ آواز
وہ ناچنے کیا کھڑی ہوئی تھی

چرکے لگے اُس کے انگلیوں پر
حکمت سرِ دست ہاتھ آئی
چھڑکا نمک اُن جراحتوں پر
بیدار رہا تو آخرِ شب
ثابت ہوا ٹوٹتا ستارہ
پوشاک بدلنے کو گئی وہ
پوشیدہ ہوا برنگ سایہ
ذرہ ہوا ہمرکاب خورشید
پہونچی اُس بزم میں سماں پر
پرصوت و صدا وہ دائرہ تھا
مرکز پہ وہ نجم بخت ٹھہرا
پھینکا اُسے پھول سا اٹھا کر
تھا پہلوئے گل میں صورتِ خار
تاباں ہوئی راکھ میں سے اخگر
دل لینے اُدھر چلی دل آرا
آگے تھی پری تو پیچھے سایہ
پروانوں کا ہاتھ سے گیا دل
مجرے کو اٹھی وہ صورتِ ناز
خود راگنی آ کھڑی ہوئی تھی

رقص اسکا اگرچہ خوشنما تھا
سنگت کا پکھاوجی تھکا تھا

شہزادے نے دیکھ دائیں بائیں
لیں طبلہ نواز کی بلائیں

آہستہ کہا کہو تو آؤں
فرماؤ تو بندگی بجاؤں

اُس نے جو پکھاوج اُسکو دیدی
کیفیت اتفاق نے دی

تھا سم پہ یہ اس پری کا نقشہ
سب آنکھ ملا کے کہتے تھے آ

محظوظ کیا جو سب کو یکبار
بخشا راجہ نے نولکھا ہار

انداز سے اس نے لیکے مالا
کاندھے پہ پکھاوجی کے ڈالا

برخاست کا تھا وہ رخصتی ہار
برہم ہوئی بزم اُٹھے سب اکبار

لے ہار وہ شاہزادہ فی الفور
پنہاں ہو زیر تخت اُسی طور

بادِ سحری چلی جو سن سے
وہ شمع سدھاری انجمن سے

خورشید سے پہلے اُڑکر آئی
تاروں کی چھاؤں میں گھر آئی

وہ حوض کے رُخ چلی اُتر کر
یہ آنکھ بچا کے سوے بستر

وہ آئی تو غافل اسکو پایا
آغوش میں آ گلے لگا یا

جب پردۂ صبح ہو گیا فاش
خنداں خنداں اُٹھا وہ بشاش

اس غنچہ دہن کا مُسکرانا
بیرنگ بکاؤلی نے جانا

ہنستے ہنستے کہا ہنسے کیوں
ہنستا نہیں بے سبب کوئی یوں

بولا وہ کہ خواب دیکھتا تھا
آتش پہ کباب دیکھتا تھا

بولی وہ کہ ہم بتائیں تعبیر
دلسوزی کریگا کوئی دلگیر

بولا وہ کہ رات کو اُفق میں
خورشید تھا آتش شفق میں

بولی وہ کہ مہر سے شب و روز | عالم میں رہو گے رونق افروز
بولا وہ کہ اک مقام ہو تھا | گلزار خلیل رو برو تھا
بولی کہ بشر ہو تم دلاور | سر سبز ہو قوم آتشی پر
بولا وہ دیکھی [۱] اک شبستاں | شعلہ ہوا انجمن میں رقصاں
بولی کہ وہ شعلہ میں پری ہوں | جو ناچ نچاؤں ناچتی ہوں
بولا وہ کہ جب ہوا اوجالا | بخشا مہ انجمن نے ہالا
ہالہ مہ انجمن کا کیا تھا | وہ ہار تھا جو گلے پڑا تھا
گھبرائی پری کہ ہیں یہ کیا ہے | بولا وہ کہ ہار نولکھا ہے
کاندھے پہ تھا جسکے رات ڈالا | پہچانتی ہو وہ طبلے والا
کیوں جی یہ اکیلے شب کو جانا | اوپر اوپر مزے اڑانا
یہ سن کے پری وہ سوختہ تن | بولی کہ سن اے صلاح دشمن
میں جا کے جلی تو غم نہیں ہائے | ڈر ہے کہ نہ تجھ پہ آنچ آجائے
میرے چلنے پہ خاک ڈالو | تم نام نہ واں کے چلنے کا لو
افروختہ آتش حسد ہے | جلنا یہ سپند چشم بد ہے
بولا وہ کہ یہ نہ ہوگا مجھ سے | ہیں دو قدم آگے ہونگا تجھ سے
سمجھاتی رہی اسے وہ دانا | لیکن اس نے کہا نہ مانا

لہ شبستاں اب مذکر ہے اور اس قسم کے جملہ الفاظ جن میں ستاں علامت کثرت کے لیئے لگایا گیا ہو بتذکیر زبان پر آتے ہیں۔ جیسے گورستان۔ گلستان۔ کفرستان۔ بوستاں۔ نخلستان وغیرہ ۱۲ آسی۔

عازم ہوا شب کو آتے ہی تخت
یا قسمت یا نصیب یا بخت

واں جاکے وہ سوچی اسکو بے لاگ
لے چلیے تو راجہ لائے گا راگ

سنگت کا پکھاوجی بنا کے
گائی یہ غزل مقام پا کے

غزل

ساقی قدح شراب دیدے
مہتاب میں آفتاب دیدے

ساقی باقی جو کچھ ہو سو لے
باقی ساقی شراب دیدے

اُس بت سے نہیں سوال کچھ اور
اپنے منھ سے جواب دیدے

لیلے میں نے تجھے بنایا
مجنوں مجھ کو خطاب دیدے

اس گل سے نسیمؔ زر نہیں مانگ
جو چاہے وہ بیحساب دیدے

نصف پتھر ہو جانا بکاولی کا راجہ اندر کی بددعا سے اور بت خانے میں رہ کر ملنا تاج الملوک سے اور کھُدنا بت خانے کا رانی چتراوت کے حکم سے

ہے اب جو بیان سنگساری
یوں پائے قلم ہوا ہے بھاری

خوش لہجہ بہت بکاولی تھی
گاتی[1] اور ناچتی بڑی تھی

[1] گاتی اور ناچتی کے بجائے بعض نسخوں میں گانی اور ناچنی ہے۔ لیکن وہ صحیح نہیں۔ اسلئے کہ گانی گانے والی کے معنی میں اور ناچنی ناچنے والی کے معنی میں کہیں مستعمل نہیں بلکہ بجائے ان کے۔ گائن۔ اور نچنی مستعمل ہیں ۱۲ آسی۔

راجہ نے کہا کہ خوش ہوں تجھ سے — جو چاہے آج مانگ مجھ سے
دکھلا کے اُسی پکھاوجی کو — مانگا کہ یہ دو بکاولی کو
ارمان یہی ہوس یہی ہے — خاطر کی مراد بس یہی ہے
مانگا جو بشر پری نے بیباک — راجہ اندر ہوا غضبناک
بولا کہ اس آدمی کی یہ تاب — لے چشمۂ آفتاب سے آب
کھویا تجھے تیری آرزو نے — جا تیری سزا یہ ہے کہ تو نے
کی ہے حرکت خلاف آئیں — پتھر کا ہو نصف جسم پائیں
اس سختی سے کچھ دنوں رہے تو — بعد اس کے خاک میں ملے تو
قالب ترا انقلاب پائے — جامے میں تو آدمی کے آئے
بارہ برس اس طرح گذر کر — پھر تجھ کو ملے پری کا پیکر
اُس وقت جہاں تو چاہے جائے — تو اُسکو ملے وہ تجھ کو پائے
روئی وہ بکاولی یہ سُنکے — تڑپا شاہزادہ سر کو دُھن کے
خواہش جو بلائے جاں ہوئی وہ — ہلکا ہوا یہ گراں ہوئی وہ
ناری تھی پری ہوا بتائی — خاکی تھا بشر زمیں جھنکائی
سایہ سا زمیں پہ جب گرا وہ — اُفتاد کو سوچنے لگا وہ
سبزے کی دھوپ چھاؤں مخمل — صحرا میں بچھی تھی سو گیا۔ شل
چشمہ اک آفتاب سا تھا — عاشق کی طرح بھرا ہوا تھا
پریاں کچھ اُدھر نہانے آئیں — دیکھا وہ بشر تو کھلکھلائیں
بولیں یہ وہی پکھاوجی ہے — عاشق جس پر بکاولی ہے

وہ چونک کے بول اٹھا کہ اللہ
بتلاؤ کہاں ہے وہ کہا آہ

اندر کے غضب سے ہو کے تھرتھر
ہے بت سی وہ ایک مٹھ کے اندر

پوچھا کہ کہاں کہا بہت دور
بولا وہ پھر کہا کہ مجبور

یہ کہہ کے اتاری سب نے پوشاک
باہر ہوئیں جامے سے وہ بیباک

پردے کا خیال کچھ جو آیا
تن چادرِ آب سے چھپایا

بے ننگ یہ سب نہا رہی تھیں
موجیں[۱] باہم اُڑا رہی تھیں

سوچا وہ کہ ان کو دیجیے جل
خس پوش کیے وہ جامۂ گل

جب خوب وہ شعلہ رو نہائیں
باہر بصد آب و تاب آئیں

پوشاک دھری ہوئی نہ پائی
جانا کہ حریف نے اُڑائی

جھک جھک کے بدن چراتی آئیں
رُک رُک کے قدم بڑھاتی آئیں

دکھلائی کسی نے چشم جادو
چمکائی کسی نے تیغ ابرو

جھنجھلا کے کہا کہ لاؤ مانو
ہم کو بھی بکاولی نہ جانو

بولا وہ چہ خوش تم ایسی کیا ہو
ڈرنے کا نہیں میں کیا بلا ہو

پوشاک جو لینی ہو تو یہ بچاؤ
بولیں وہ چلو کہا قسم کھاؤ

عریانی کے ننگ سے لجائیں
ستار کی قسمیں سب نے کھائیں

شہزادے نے کر کے پاس اُن کا
خلعت سا دیا لباس اُن کا

پریاں ہوئیں رخت سج کے خرسند
ہو جیسے ہوا حباب میں بند

شانے پہ چڑھا کے مثل گیسو
اُس گل کو اُڑایا صورتِ بو

---

۱ باہم موجیں اُڑانا۔ مل جل کر عیش کرنا۔ یہاں اس محاورہ کا لانا لطف سے خالی نہیں ہے ۱۲ آسی

واقف اس سنگدیپ سے تھیں وہ ۔ سنگدیپ اسکو لے گئیں وہ
وہ جائے بکاولی بتائی ۔ دیو انے کو باولی بتائی
بت خانے میں تھا طلسم کا در ۔ ششدر رہا چار سمت پھر کر
عقدہ کھلا شام ہو گر اُسکا ۔ شق مثل قمر ہوا در اُس کا
دیکھا تو وہ بت تھی مٹھ کے اندر ۔ جسم آدھا پری تھا آدھا پتھر
تھا ناف سے لے کے تا بہ پا سنگ ۔ تھا گو وہ سرین کے آگے پا سنگ
چومے جو قدم اُس آدمی نے ۔ سینے سے لگا لیا پری نے
نرمی سے کہا بخیر گذری ۔ کس سختی سے تم بغیر گذری
ہم پر تو پڑے وہاں یہ پتھر ۔ تم کیونکر بچے کہا مقدر
گر پڑ کے زمیں پہ مثل شبنم ۔ پھر پریوں کی مہر سے اُڑے ہم
جذبہ تم پاس کھینچ لایا ۔ سختی اب دور ہو خدایا
تا آخر شب فسانے کہہ کر ۔ بولی وہ پری کہ اے دلاور
یہ در مانند چشم بے خواب ۔ ہوتا ہے سحر کو بند بے تاب
پیش از دم صبح تم نکل جاؤ ۔ کل پھر سر شام خیر سے آؤ
مصرف کو جو ہو ضرورت زر ۔ زیور مرا مجھ سے لو یہ کہکر
کانوں میں سے موتی کچھ نکالے ۔ دامن پہ مثال اشک ڈالے
صدقے وہ بشر ہوا پری کے ۔ قدموں پہ گرا بکاولی کے
پانوں اُس کے چھوٹے تو یہ پائے ۔ آنسو چھوڑے گہر اُٹھائے
نکلا جیسے ہی مٹھ کے باہر ۔ پتھرا گئی چشم حلقۂ در

آنکھوں سے وہ دیکھتا ہوا قہر — آگے کو بڑھا چلا سوئے شہر
بازار میں جا کے بیچے گوہر — مفلس سے ہوا وہ صاحب زر
گھوڑا جوڑا نفر حویلی — جو جو شے چاہئے تھی لی لی
جب منزل شب میں رہرو روز — لے گوہر شبنم آیا پرسوز
گنبد گردوں کا تھا جو بے در — تاباں ہوئے اس میں ماہ و اختر
سیاروں سے[ل] کر کے استخارا — اُس برج کی سمت وہ مہ سدھارا
دیکھا تو درِ قبول وا تھا — رگڑا اُنھیں ایڑیوں پہ ماتھا
شب سایۂ زلف میں بسر کی — لی صبح کے ہوتے راہ گھر کی
تقدیر نے راستا بھلایا — راجہ کے محل کی جانب آیا
چترادت اُس کی ماہ پارہ — غرفہ میں سے کرتی تھی نظارہ
دیکھا تو جوان تھا یہ تصویر — صورت پہ فدا ہوئی وہ بے پیر
یاں پردۂ در نظر سے گذرا — واں تیر نظر جگر سے گذرا
دستور تھا جسکو بیٹی چاہے — باپ اُسکا اُسی کے ساتھ بیاہے
راجہ سے یہ خوش خبر بیاں کی — مشاطۂ خوش ادا رواں کی
شادی کی خبر سے وہ یکایک — خوش خوش آئی کہا مبارک
اس شہر کا چترسین راجا — دختر رکھتا ہے ماہ سیما
ہر ملک کے شہریار آئے — ہر شہر کے تاجدار آئے

[ل] یعنے ستاروں کا نکلنا ایک فال نیک سمجھا ۔ استخارہ اہل تشیع میں تسبیح پر کیا جاتا ہے ۔ دانوں سے ستاروں کو تشبیہ دیجا سکتی ہے ۱۲ آسی ۔

راضی تجھ سے ہوئی وہ بے پیر
طالع قسمت نصیب تقدیر

بیجاں وہ ہوا کہا کہ جا جا
کیسی رانی کہاں کا راجا

دکھلا نہ مجھے ہرے ہرے باغ
غنچہ کی گرہ میں کیا ہے جز داغ

الفت میں ہے آبرو گنوانی
کب چشمۂ مہر میں ہے پانی

مکار تو مجھ سے کرتی ہے زور
دُور ہو مرے سامنے سے چل دُور

ہٹ دیکھ کے اسکی ہٹ گئی وہ
قسمت کی طرح پلٹ گئی وہ

پایا جو جواب منتظر نے
آنکھوں میں لگا خیال پھرنے

تقدیر کی بات ہونیوالی
زر سے ہوا اسکا ہاتھ خالی

من سانپ کا ران سے نکالا
بازار آیا وہ سروِ بالا

کیا جوہری مول کرتے اُسکا
راجہ تک رفتہ رفتہ پہونچا

جو مدعیوں کا مدعا تھا
موقع جو ملا تو کیا بُرا تھا

جھنجھلا کے ڈرا کے غل مچا کے
سمجھا کے دبا کے دست پا کے

من چھین کے چوری کے بہانے
بھیجا کھلے بندوں قید خانے

زنداں میں وہ نیم جان و بسمل
زنجیر میں پاؤں زلف میں دل

غم کھا کے لہو کے گھونٹ پینا
دم گے دھاگوں سے ہونٹ سینا

داروغۂ محبس جفا نے
رانی سے کہا کسی بہانے

یوسف کی خبر لے او زلیخا
زنداں میں ہے وہ عزیز مرتا

اس چاہ میں کام ہو نجائے
یہ ماہ تمام ہو نہ جائے

دانا تھی وہ جیلخانے آئی
بگڑے ہوئے کو منانے آئی

دیکھا تو وہ سرنگوں تھا دلگیر — تھی حلقہ بحلقہ زلف در زنجیر
آنکھ اس سے نہ جب ملائی اُسنے — زنجیر اُسکی ہلائی اُس نے
پابند بلا وہ مبتلا تھا — کب اسکو خیال بند پا تھا
رانی نے جو بیدلی نگہ کی — بیڑی کٹوائی بے گنہ کی
قدموں پہ گری کہا اُٹھو آؤ — انکار و گریز جانے دو آؤ
اُٹھا وہ پری کی آرزو میں — یہ سمجھی کہ پھانسا گفتگو میں
واں دُھن تھی کہ صنم سے کدخدا ہوں — یاں دھیان کہ بت کا پارسا ہوں
تجویز میں اپنے اپنے مفہوم — آئی تو محل میں مچ گئی دھوم
راجہ نے ستارہ داں بلایا — سعدین[1] کا زائچہ ملایا
دن ڈھل کے وہ ماہ تو سر شام — غائب ہوا سیر کرکے کچھ گام
دروازے کا منھ کیے دیدہ وا تھا — توبہ کا در کھلا ہوا تھا
آیا تو وہ کب سے تکتی تھی راہ — دیکھا تو کہا کہاں رہے واہ
دیکھے جو حنائی ہاتھ بے لاگ — تلووں سے پری کے لگ گئی آگ
پوچھا کہ بن آئی کس بنی کی — کس راہ کی زن نے رہزنی کی
توفیق یہاں تلک جو لائی — منہدی پاؤں کی گھس نہ جاتی
قدموں سے لگا پسا ہوا وہ — منہدی کا جو رنگ تھا کہا وہ
رانی کی وہ مہر و سرگرانی — راجہ کی وہ قہر حکمرانی
من نیچے اپنا قید ہونا — داموں کے لئے وہ صید ہونا

[1] سعدین۔ دو نیک ستارے ۱۲

چتراوت کا وہ آپ آنا
شادی نہیں کچھ خوشی سے مانی
غم تھا کہ ترے قدم سے چھوٹا
پیاری یہ نہیں حنائی چنگال
زنجیروں سے پاؤں ہے نکالا
کالے ڈسیں بال اگر چھوے ہوں
بگڑی وہ کہ چل بنا نہ باتیں
میری تجھے ایسی کیا لگی تھی
تنگ آیا تو دیکھ قید خانا
پتھر کی اگر کہو تو میں ہوں
سہتی ہوں جہاں کی سختی سستی
اس تنگ قفس کو سمجھی ہوں باغ
قسمت سے مفر ہے اب نہ مامن
کب چاہیگی عقل مصلحت سنج
راضی ہیں خدا کی جو رضا ہو
وہ معتقد اُس کے پاؤں چھو کر
آیا تو وہ نو عروس زیبا
سب کہہ کے کہا خدا ہے دانا
بے تیرے تھی مرگ زندگانی
شادی کے بہانے غم سے چھوٹا
ہاتھ ایسے ملے کہ ہوگئے لال
زلفوں پہ نہیں یہ ہاتھ ڈالا
چھالے پڑیں گال اگر چھوے ہوں
تجھ سے کوئی سیکھے ایسی گھاتیں
تلووں سے ترے حنا لگی تھی
آسان نہیں کڑی اُٹھانا
فولاد جگر کہو تو میں ہوں
آسایش جاں نہ تندرستی
سنگینی گراں نہ جلنے کا داغ
پتھر کے تلے دبا ہے دامن
تم تو کرو شادی ہم کریں رنج
ہوتی ہے سحر چلو ہوا ہو
اُٹھا چھاتی پہ رکھ کے پتھر
بستر پہ تھی شکل نقشِ دیبا

۱ء تو صرف قید خانہ کی سختی سے عاجز ہوگیا۔ مجھے دیکھ کہ کیا سختیاں اُٹھا رہی ہوں سختیاں سہنا کچھ آسان نہیں ۱۲ ۲ء مفر بھاگنے کی جگہ۔ مامن امن کی جگہ۔ پتھر کے تلے دامن دبنا۔ سے مراد کسی ناقابل برداشت اور سخت مصیبت میں مبتلا ہونا ۱۲ آسی۔

نیند آئی جو تھی بصد کدورت
سوئی تو تھی انتظار میں وہ
سوتے جو کٹی شبِ جدائی
تھے صبح سے دونوں شام جویاں
دونوں تھے تصوروں میں کامل
دو آنکھوں کی طرح ایکجا تھے
کروٹ لے کر وہ عنبریں مو
چپکی ہوئی پیٹھ سے وہ دیگر
حیرت چھائی تو کھو گئی وہ
غافل اسے چھوڑ کر اُٹھا یہ
یہ جاگا ہوئی وہ فتنہ بیدار
دوری نے جو حد سے کی درازی
اس رات کو چپکی ہو رہی وہ
وقتِ سحر اسکو پا کے رانی
خلوت خانے سے باہر آئی
حکم ان کو دیا کہ شام کو آج
سایہ کی طرح سے ساتھ رہنا
جسوقت چلا پری کا مانوس
وہ منھ وہ پری مقام دیکھا

تھی چین بجبیں شکن کی صورت
جاگی تو ملا کنار میں وہ
سو خفتہ نصیبی اپنی جانی
شب کو ہوئے داخل شبستاں
خلوت خانہ تھا گوشۂ دل
پر دل جو ملا نہ تھا جدا تھے
اُٹھ چلنے کا سوچتا تھا پہلو
آئینہ کی پشت پر تھی تصویر
غفلت آئی تو سو گئی وہ
لپکا تو پری کے رُخ گیا یہ
دیکھا تو تھا تکیہ جائے دلدار
جانا کہ کہیں ہے عشق بازی
کل سمجھونگی کہہ کے سو رہی وہ
ہمبستر خواب سر گرانی
دربانوں کے پاس در پر آئی
جانا ہمراہ صاحبِ تاج
جو آنکھ سے دیکھنا وہ کہنا
سایہ سے پس قدم تھے جاسوس
وہ برج وہ مہ تمام دیکھا

اک آن میں رانی پاس آیا — کی عرض کہ لو سراغ پایا
صورت یہ ہے جو نگاہ کی ہے — اک مٹھ میں مورت اک پری ہے
آنکھوں سے اس انجمن کو دیکھا — یکجا بت و برہمن کو دیکھا
لعل و گہر ایک درج میں ہے — شمس و قمر ایک برج میں ہے
آنکھ اسکی یہ سنکے خوں میں ڈوبی — مریخ بنی وہ ماہ خوبی
یاں اسنے کہا وہ برج کھدواؤ — واں بولی بکاولی کہ لو جاؤ
یاں سے چلے لوگ واں سے وہ زار — لپکا یہ اِدھر اُدھر وہ خونخوار
توڑا وہ مٹھ حباب آسا — پھوڑا ابلے دل کا آبلہ سا
شہزادے کے آگے بیچانے — انعام دیا کھلے خزانے
پاس اسکا ذرا نہیں کیا کچھ — اور اس سے کہا کہ لو سنا کچھ
بنیاد فساد کھود ڈالی — جاسوسوں نے کھود کر نکالی
غائب رہتے تھے روز شب بھر — اب دیکھ لو جا کے خاک پتھر
سنتے ہی وہ بے قرار لپکا — دوڑا بے اختیار لپکا
دیکھا تو وہ ماہ رو نہ وہ برج — وہ لعل گراں بہا نہ وہ درج
شور اس نے کیا کہ کیا یہ شر ہے — آواز آئی کہ بے خبر ہے
بنیاد برافگنی کی بانی — ہے سوت مری تری وہ رانی
کھدوایا جب اُس نے مٹھ بضد جور — رہنے کو ملا ہمیں مکاں اور
واں ٹھوکریں کھائی سخت تھیں سنگ — سنگست[1] بجائے خویشتن سنگ

[1] سنگ بجائے خویش سنگ ہست یعنی پتھر اپنی جگہ بھاری ہے۔ فارسی کا محاورہ یا ضرب المثل ہے ۱۲ محشی

ہونا تھا یہی تو شکوہ کیا ہے — جا کچھ دنوں صبر کر خدا ہے
حیرت زدہ چپ خموش سنسان — ٹوٹا ہوا دل بندھا ہوا دھیان
آیا تو ہنسی وہ شوخ رانی — گویا ہوا وہ بخوش بیانی
تقدیر کو گل کھلانا تھا یوں — تو خار سے بیخ کن ہوئی کیوں [ف١]
دوراں کو تھا انقلاب منظور — مختار خدا ہے بندہ مجبور
اُس دن سے ہوا وہ اس سے مانوس — راتوں کو رہی وہ شمع فانوس
جب کام روا ہوئی وہ رانی — گذری بہزار کامرانی

پیدا ہونا بکاؤلی کا دہقان کے گھر میں اور جوان ہو کر ملنا تاج الملوک سے

نقطوں سے ہے اب قلم کا دہقاں — صفحے کی زمیں پہ دانہ افشاں
جب مٹھ کی رہی نہ بیخ و بنیاد — جیسے کہ ہو گرد باد برباد
دہقاں تھے نئے زمیں کے جویا — سرسوں کا کھیت انھوں نے بویا
جب جبیں سے کر چکے تردد [ف٢] — کھیتی کی ہوئی زمیں پہ واشد
دہقاں کی زوجہ کے کھلے بھاگ — کھانے لگی نوچ نوچ کے ساگ
کھاتے ہی حمل کا ڈھنگ پایا — سرسوں سا ہتیلی پہ جمایا [ف٣]

ف١ یعنے تیرے دل میں جو خار تھا تو نے یہ بیخ کنی کیوں کی ١٢ ف٢ تردد کرنا - کشتکاری کرنا ١٢ ف٣ محاورہ ہتیلی پر سرسوں جمانا ہے - جلد سے جلد پھرتی سے کوئی کام کرنا ١٢ آسی -

وہ بانجھ تھی جب حمل قبولی — سرسوں[۱] آنکھوں میں سب کے پھولی
ایام مقرری گذر کر — پیدا ہوئی اک حسینہ دختر
صورت میں پری جمال میں حور — فلفل سی وہ مہ تھی پیش کافور
مشہور ہوئی وہ ماہ پارہ — لوگ آنے لگے پئے نظارہ
وہ منتظر ظہور نیرنگ — یعنے تاج الملوک دل تنگ
چرچا سُن کر چلا کہ دیکھوں — دیکھا تو کھپا نظر میں افسوں
جانا کہ پری وہ سوختہ تن — سانچے میں سے ڈھلکے نکلی کندن
چہرے سے پری کا ڈھنگ پایا — اندر کا وہ قول یاد آیا
دہقاں سے کہا کہ سیم و زر لے — دولت صدقے یہ سیمبر دے
دہقاں نے کہا کہ میرے صاحب — یہ باتیں تمھیں نہیں مناسب
دختر جو پسند مہ لقا ہے — بکتی نہیں لعل بے بہا ہے
پھل سے نہیں پیڑ کو سروکار — جبتک کہ ہو کام کا نہیں بار
سمجھا وہ کہ میوہ ہے ابھی خام — عورت ہو جواں تو نکلے کچھ کام
یہ سوچ کے گھر پھرا وہ دلسوز — آیا گیا اسکو دیکھنے روز
دن دن اُسے ہو گیا قیامت — بوٹا سی بڑھی وہ سرو قامت
چلتی تو زمیں میں سرو گڑتے — باتیں کرتی تو پھول جھڑتے
خواہاں ہوے ہم وقار اُسکے — دہقاں ہوے خواستگار اُسکے
کہہ بے سرو برگی اپنی دہقاں — بولا کہ ہے رب کے ہاتھ ساماں

[۱] آنکھوں میں سرسوں پھولنا۔ محاورہ ہے۔ نہایت شاد و خرم اور خوش ہونا ۱۲ محشی

شہزادے نے ایکدن پھر آ کر
شادی کو کہا حیا اُٹھا کر

دہقاں نے کہا کہ یا شہنشاہ
تم کو وہ وقار ہیں پرِ کاہ

صحبت ہو برابری میں زیبا
نسبت ہے برادری میں زیبا

دہقان زادی وہ بے محابا
بول اُٹھی کس آن سے کہ بابا

خواہاں سے مرے نہ ہو تو ناخوش
ہے دخترِ رز نصیب مے کش

مطلب کو سمجھ کے گھر پھرا وہ
وقت آنے کا منتظر رہا وہ

یاں تو یہ حساب کرتا تھا سن
واں لوگ ارم کے گنتے تھے دن

گذرا بارے عہد سختی
آئے ایام نیک بختی

دختر وہ پکڑ کے باپ کا ہاتھ
پچھواڑے مکاں کے لے گئی ساتھ

واں تھا کسی وقت کا دفینہ
دکھلا کے کہا یہ لے خزینہ

کہنا نہ کسی سے میں پری ہوں
تو کیا جانے بکاولی ہوں

اک آدمی زاد کی بدولت
لائی ترے گھر ہے مجھ کو قسمت

ناگاہ سمن پری لیے تخت
وارد ہوئی اور کہا کہ لے رخت

رخت اُسنے سج کے تخت اُڑایا
دامان نظر سے مُنھ چھپایا

جیتراوت کا محل جدھر تھا
سوتا جس رُخ وہ سیمبر تھا

واں جا کے ہوئی وہ نور آگیں
پروانے کی اپنے شمع بالیں

بیدار کیا وہ ماہ پیکر
جاگا تو تھا آفتاب سر پر

اُٹھا جو وہ کہہ کے آؤ جانی
آواز سے چونک اُٹھی وہ رانی

مُنھ دیکھتے ہی بکاولی کا
سایہ اُسے ہو گیا پری کا

بولی وہ بکاولی سیانی | ہے سوت مری یہی وہ رانی
بولا وہ کہ لونڈی ہے تمھاری | یہ کہہ کے اُسے کہا کہ پیاری
چوٹی ہے مری تو ہاتھ اُنکے | چل آ کہ چلا میں ساتھ اُنکے
رانی نے کہا کہ گو یہ ہے غیر | میں تیری ہوں تو کسی کا ہو خیر
یہ بات بکاولی کو بھائی | شہزادے کے ساتھ اُسے بھی لائی
اُڑتے ہی وہ تخت سحر آگیں | گیا دُور تھا گلشن نگاریں
مدت کے بعد گھر میں آئے | کھوئے ہوئے جیسے سب نے پائے
فردوس کی بیسوا وہ دلبر | محمود دادیونی کی دختر
چتراوت چترسین کی جان | آرام ارم بکاولی جان
ان چاروں میں ایک مست بادہ | پورب کا وہ بادشاہزادہ
پانچوں سر پنجۂ وفا تھے | یا خمسۂ مطلع صفا تھے
ہوتے ہی حواسِ[۱] خمسہ مجموع | آمد ہوئی اقربا کی مسموع
فیروز شہ و جمیلہ دانا | حسن آرا اور روح افزا
پورب کا وہ شاہ و شاہ بانو | اطراف سے مملکت کے ہیں تو
جو جو آیا بلا تکلف | اک قافلہ سے ملا وہ یوسف
سلطانوں کی قدردانیاں کیں | مہمانوں کی میزبانیاں کیں
چندے رہا مجمع بد و نیک | رخصت ہوا رفتہ رفتہ اک ایک

۱ حواس خمسہ سے مراد یہاں وہ پانچوں آدمی ہیں جن کا اوپر ذکر آچکا ہے۔ ورنہ اصل مراد حواس خمسۂ ظاہری سے ہے کہ شامہ۔ باصرہ۔ لامسہ۔ ذائقہ۔ سامعہ ہیں ۱۲ آسی۔

روح افزا سے بکاولی کو
رکنا ہوا اس پری کا مشکل

الفت تھی روکی دل لگی کو
یہ دل لگی اب لگائے گی دل

عاشق ہونا بہرام وزیر زادہ تاج الملوک کا روح افزا پری پر اور شادی ہونی بکاولی کی سعی سے اور کامیاب رہنا

جب ختم یہ داستان آئی
روح افزا کو بکاولی نے
اک شب کو وہ زلف مہ خال تھی
وہ مست مئے فسانہ گوئی
سلطاں کا وزیر زادہ بہرام
نکلی دیکھی پری کی چوٹی
کھٹکے سے گر بکاولی کے
جب کاکل شب سے روئے خورشید
دیکھا تو وہ ماہ نو کا تھا برج
بیتابی نے کچھ قرار پایا
مہتابی پہ چاندنی جب آئی
اس فتنے کی خوابگہ تک آیا
تجویز رہا تھا گھات گوں کی

یوں شاخ قلم شگوفہ لائی
روکا جو یہاں کئی مہینے
یا آتش مہر کا دُخاں تھی
مہتابی پہ چاندنی سی سوئی
گلگشت چمن میں تھا گل اندام
ناگن سی اُسکے دل پہ لوٹی
بھاگا سایہ سے اس پری کے
تاباں ہوا پھر چشم اُمید
رکھتا تھا دُرِ یگانہ وہ دُرج
مجبوری میں اختیار پایا
سایہ نے پری پہ کی چڑھائی
مانند سُہا وہ مہ تک آیا
ناگاہ وہ مست خواب چونکی

آغوش کی موج سے وہ مضطر ‌ ‌ مچھلی سی نکل گئی تڑپ کر

پیچھا کئے صحن تک وہ آیا ‌ ‌ مہتاب کے پیچھے جیسے سایا

ملتی اُسے خاک وہ ہوائی ‌ ‌ انساں کو پری نہ ہاتھ آئی

ہوتے ہی سحر وہ روح افزا ‌ ‌ رخصت ہوئی گھر کو رکھ کے پردا

معشوق سے رہ گیا جو ناکام ‌ ‌ تھا غم سے کنار گور بہرام

تنہا وہ سمن پری تھی اک زر ‌ ‌ قدموں پہ گرا کہا بصد سوز

دل سے ہوں فدائے روح افزا ‌ ‌ مرتا ہوں برائے روح افزا

بولی وہ ارے بشر نہ سڑی ہو ‌ ‌ روح افزا کیا بکا ولی ہے

شہزادے گئے ڈھنگ پر تو چل ‌ ‌ ہمتائے فلک نہ ہوگا بادل

بولا وہ کہ مجھ سے اُس سے ہے راہ[1] ‌ ‌ شبنم کی ہے آفتاب کو چاہ

واقف تھی پری کے دیس سے وہ ‌ ‌ لے پہونچی زنانے بھیس سے وہ

فردوس میں مالن ایک تھی حور ‌ ‌ گل چہرہ پری بنفشہ مشہور

پوشیدہ گھر اُسکے لائی اسکو ‌ ‌ منہ بولی بہن بتائی اُسکو

فردوس کی سیر کے بہانے ‌ ‌ چھوڑا منزل پہ رہنمانے

روح افزا کے لئے بنفشہ ‌ ‌ گلدستہ بناتی تھی ہمیشہ

حاجت کو ذرا گئی جو باہر ‌ ‌ بہرام نے پشت آئینہ پر

تحریر کیا کہ بے مروت ‌ ‌ آئینہ ہے تجھ پہ میری صورت

افسوس نہ مجھے تو آرزو ہو ‌ ‌ اور آئینہ تیرے روبرو ہو

[1] راہ ہونا۔ تعلقات ہونا۔ مراسم ہونا ١٢ آسی۔

لیکن تو زبسکہ خود نما ہے — خود بینی سے جو کرے بجا ہے

یہ لکھ کے ہٹا تو مالن آئی — گلدستہ پری کے پاس لائی

روح افزا کا سنگار کرکے — محو اُسکی ہوئی جو پیار کرکے

اُلٹا اُسے آئینہ دکھایا — خط سمجھی وہ کاکلوں کا سایا

مضموں جو پڑھا پری تھی دانا — نقش عمل نگار خانہ

مشاطہ کو دیکھ کر اکیلی — بولی کہ بتاؤ یہ پہیلی

ہاتھ آکر جو نہ آئے وہ کون — ہو کر جو نظر نہ آئے وہ کون

سوچی تو بوجھی وہ کہا کل — کہدونگی یہ کہہ کے آئی بیکل

بہرام اس سوچ کو سمجھکر — بولا گیا ہے کہا اُجھکر

وہ جانتا تھا نہ اس کو سوجھی — بولا لو بات کیا ہے بوجھی

ہاتھ آکے نہ آئے جو وہ مجذوب — ہو کر نہ دکھائی دے وہ محبوب

وہ سُن کے جو دوسرے دن آئی — تقریر سُنی ہوئی سُنائی

سمجھی وہ کہ پوچھ آئی ہے یہ — پوچھا کس نے بتائی ہے یہ

بولی وہ کہ ہاں مجھے نہ سوجھی — منھ بولی بہن نے میری بوجھی

روح افزا نے کہا کہ ناداں — ہمراہ اُسے کیوں نہ لائی تو یاں

بولی وہ ابھی چلی میں لائی — جا کر طلبی اُسے سُنائی

اس مژدہ کا منتظر ہی تھا وہ — ساتھ اُسکے زنانہ[1] میں گیا وہ

امرد[2] کا لباس تھا زنانا — دھوکا کچھ کھا گئی وہ دانا

[1] زنانہ۔ زنانے مکان سے مراد ہے ۱۲ [2] امرد۔ بے ڈاڑھی مونچھ کا نوجوان لڑکا ۱۲ آسی

پوچھا کہو نام کیا کہا ننگ
پوچھا کہ نشاں کہا دل تنگ

یہ سُن کے اشارے سے بٹھایا
بادام بنفشہ کو دکھایا

وہ سمجھی کہا یہ پردہ پوشی
گندم کے بہانے جو فروشی

بہرام ہے تو ارے وہی چور
رہ تجھ کو بناؤں سحر سے گور

بدبمن سمجھ گئے گور کا نام
پنجرہ اک لائی وہ گل اندام

طوق اُس کو طلسم کا پنھایا
قمری اُسے سرو[۵۱] نے بنایا

دن بھر تو وہ فاختہ پڑھاتی
شب کو اُسے آدمی بناتی

غماز[۵۲] تھی اک خواص اسکی
دمساز تھی وقت خاص اسکی

اکدن پنجرا اُڑا کے لائی
حسن[۵۳] آرا کو وہ کل سجھائی

کھولا جو وہ بند سحر بنیاد
دیکھا تو مجسم آدمی زاد

گستاخ جو اس بشر کو پایا
غصہ غضب اس پری کو آیا

لوگوں سے کہا ہٹاؤ اسکو
آتشکدہ میں جلاؤ اسکو

لوگ اس کو لے چلے جلانے
تقدیر کے سنئے کارخانے

شہزادہ بکاولی کے ہمراہ
گذرا اُسی راستے سے ناگاہ

دیکھا تو وزیر زادہ بہرام
بوتہ[۵۴] میں تھا شکل نقرۂ خام

جلنے سے پناہ دے کے اسکو
فردوس میں آئے لے کے اُسکو

زندہ اُسے پا کے حسن آرا
بولی یہ کہ چور ہے ہمارا

۵۱ سرو سے مراد یہاں روح افزا ہے ۱۲ ۵۲ غماز چغل خور ۱۲ ۵۳ روح افزا کی ماں ۱۲
۵۴ بوتہ - کٹھالی گھریا ۱۲ آتشی -

قابل یہ جلانے کے ہے فاسق — روح افزا کا بنا ہے عاشق
بولی وہ بکاولی کہ قرباں — یہ کونسی فہم ہے بچی جاں
پیاری کا جو اپنے ہو پیارا — کیونکر ستم اُس پہ ہو گوارا
حسن آرا نے کہا بجا ہے — تم کیوں نہ کہو کہ خود کیا ہے
بولی وہ کہ پھر عبث ہے انکار — جب عیب[۵۲] نہ تھا تو اب ہے کیا عار
کیا کہتی وہ دم بخود سنا کی — سب جی سمجھی رضا خدا کی
مرسوم تھے جس طرح کے انداز — شادی کا خوشی خوشی کیا ساز
وہ ساز طرب ملے خوش آہنگ — دور از ادب کھلے بصد ننگ
شادی جو ہوئی تو غم ہوا دور — فردوس[۵۳] سے گھر کو آئی وہ حور
گلزار جواہریں میں آکر — آباد ہوئی وہ یاسمن بر
حاصل ہوئی ان گلوں کو بہار — سیر شب زلف و صبح رخسار
جس طرح اُنھیں بہم ملایا — بچھڑے ہوئے سب ملیں خدایا

۵۱ یعنی تم تو یہی کرتی رہی ہو۔ تم نے آدمی زاد سے عشق کیا ہے ۱۲ ۵۲ یعنی آپ نے خود میری شادی کی سفارش کی تھی ۱۲ ۵۳ فردوس کی رعایت سے حور لایا گیا ہے ۱۲ انتہی

بفضل عمیم خدائے کریم مثنوی بے مثل و نظیر رو کش باغ نعیم اعنی گلزار نسیم تصنیف لطیف پنڈت دیا شنکر نسیم لکھنوی جو اپنی روش خاص میں انتخاب اور پسند حضرات اولی الالباب ہے مع حواشی حسب الحکم عالی جناب کنور برج کشن صاحب بھارگو مالک مطبع ہذا ستائیسویں بار باہتمام ایم۔ ڈی۔ مظہر اسپرنٹنڈنٹ پھر بازینت مطبع تیج کمار واقع لکھنؤ میں بماہ دسمبر سنہ ۱۹۶۵ء زیور طبع سے آراستہ ہو کر باندازو ادائے دلفریب و دلکش محو کنندۂ مشتاقان ہوئی۔
الحق یہ مثنوی لاجواب ہے۔ جس کا مداح ہر شیخ و شاب ہے
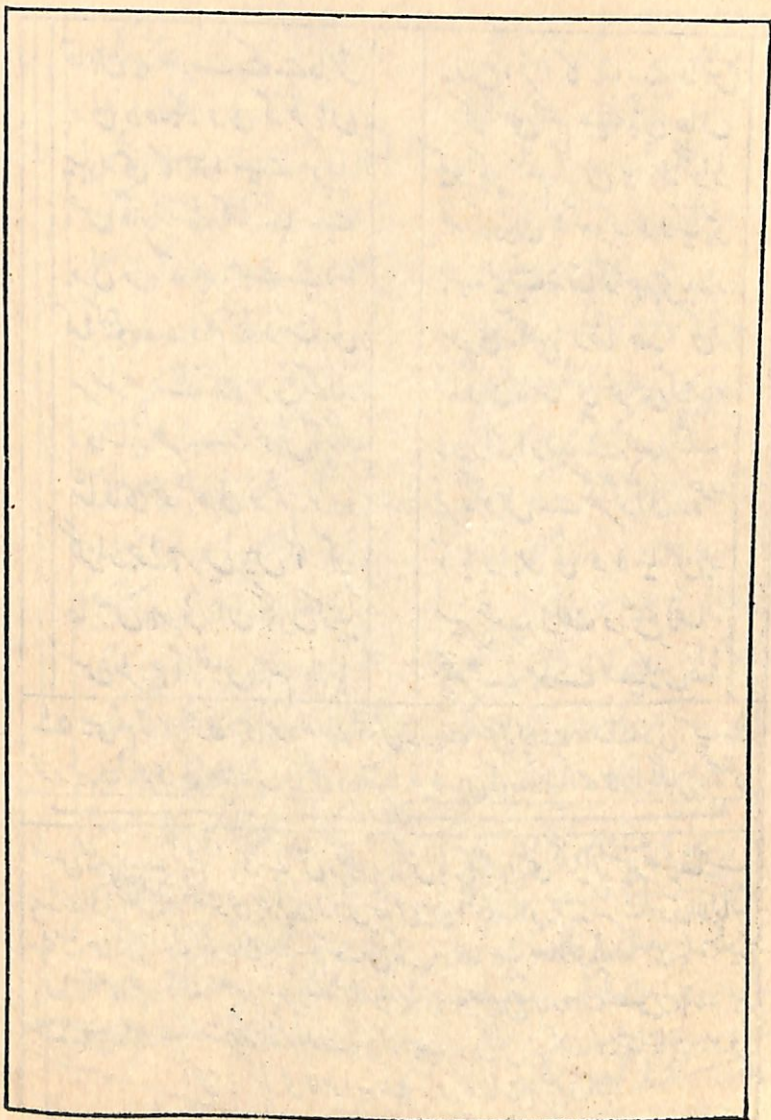
ضروری اعلان

خدا کے فضل و کرم سے ہمارے کتب خانۂ تجارتی میں جملہ علوم و فنون کی کتابیں بزبان عربی، فارسی، اُردو، ہندی و سنسکرت کافی تعداد میں ہمیشہ موجود رہتی ہیں جن کی مفصل فہرست صرف اطلاع پانے پر روانہ کی جاتی ہے۔ کتابوں کی تصحیح کا اس قدر خیال کیا جاتا ہے کہ جو کتاب اسٹاک میں ختم ہو جاتی ہے اور دوبارہ چھاپنے کا ارادہ کیا جاتا ہے تو وہ کتاب پہلے صحیح کرائی جاتی ہے اور اس کی اصل اگر کسی دوسرے کتب خانہ میں دستیاب ہو جاتی ہے تو اُس اصل سے مقابلہ کرا لیا جاتا ہے اور باعتبار کاغذ و چھپائی و سائز پہلی اصل سے بدرجہا اچھی حالت میں پیش کی جاتی ہے باوجود گرانی کاغذ و اسباب طباعت قیمت نہایت مناسب رکھی جاتی ہے اس لئے استدعا ہے کہ اگر آپ ہمارے قدیم خریدار ہیں تو آپ سے کسی سفارش کی ضرورت نہیں اور اگر آپ کو اب تک ہمارے کتب خانہ سے کسی کتاب کے طلب کرنے کا اتفاق نہیں ہوا تو براہ مہربانی کوئی فرمائش بھیج کر ہمارے کارخانہ کی صفائی معاملہ، کتب کی عمدگی اور قیمت کی مناسبت کا اندازہ ضرور فرمائیں۔

المشتہر

مینیجر نیج کمار پریس صیغہ بکڈپو لکھنؤ